کتاب
التوحید والعدل

(توضیح و تشریح)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

کتاب
التوحید والعدل

(توضیح و تشریح)

احسن عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر قارئین کرام یہ کتابچہ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے جناب مولانا سید بو علی زیدی کی کتاب ''توحید وعدل'' حصہ اوّل پر تنقید و وضاحت کی خاطر تحریر کرنا شروع کی گئی تھی تا کہ آئندہ طباعت میں مولانا صاحب اصلاح فرمالیں۔مگر کتاب کے مطالعہ اور تنقید کے دوران آخر کار ناقد الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی صاحب، مجتہد و ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس اس نتیجہ پر پہنچے کہ کتاب ''توحید وعدل'' لکھ کر مولانا صاحب نے تضیع اوقات کی ہے اور اس کتاب کی مکمل تصیح بھی ممکن نہیں۔اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو نامکمل چھوڑ دیا لیکن اوائل تنقید و توضیح و تشریح میں ڈاکٹر صاحب نے '' اللہ تبارک و تعالیٰ''اور اس کائنات میں اس کے ''نمائندگان'' خصوصاً حجۃ دوراں امام وقت حضرت حجۃ قائمؑ آل محمدؐ امام مہدی بن حسنؑ عسکری الصلوٰۃ اللہ علیھم کے متعلق نہایت اہم ولازم حقائق وعقائد کو وضاحت سے تحریر کردیا ہے۔یہ بنیادی عقائد وحقائق تمام مسلمین پر واجب ولازم ہیں۔اس لئے اس کتاب کو اسی نامکمل صورت میں شائع کیا جارہا ہے تا کہ قارئین استفادہ حاصل کریں۔اگر قارئین اس کتاب میں کوئی تشنگی محسوس کریں تو اس کے پیچھے مندرجہ بالا عوامل کارفرما ہیں۔اس کے قارئین سے پیشگی معذرت خواہ ہیں۔

مزید یہ کہ کتاب میں جہاں بھی قرآنی حوالہ جات لکھے ہوں گے تو ان میں اوپر سورہ کا نمبر اور نیچے آیت کا نمبر ہوگا مثلاً اگر 3/5 لکھا ہو تو اس سے مراد تین نمبر سورہ یعنی آل عمران اور اس کی پانچویں آیت ہوگا۔اسی طرح اگر 100/5 حوالہ لکھا ہے تو 100 نمبر سورہ یعنی سورہ العادیات کی پانچ نمبر آیت ملاحظہ کرنا ہوگا۔باقی حوالہ جات بھی اسی ترتیب سے دیکھے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔یہیں پر یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ چند دوستوں کے اصرار پر کتاب ہذا کے آخر میں ''معاہدہ نصرت'' بھی درج کردیا گیا ہے تا کہ جو حضرات مذکورہ معاہدہ سے استفادہ حاصل کرنا چاہیں انہیں کسی دقت کا سامنا نہ ہو ۔(شکریہ)

گزارشات:

''کتاب التوحید والعدل'' مولانا سید بوعلی شاہ صاحب زیدی قبلہ کی کتاب ''توحید وعدل'' حصہ اول پر تنقید ووضاحت کی خاطر تحریر کی گئی۔ہم نے مولوی صاحب موصوف کے عقائد کی تحریری تصدیق کردی تھی۔ اوران کے طرز نگارش کو جناتی زبان قرار دیا تھااورعوام کی سمجھ سے 70% فیصدارفع واعلیٰ لکھا تھااورآئندہ طباعت میں اصلاح کی درخواست کی تھی اوران پر چنداعتراضات بھی کئے تھے۔مثلاً:

1۔وہ حضرت آدم علیہ السلام سے ترک اولیٰ کے قائل ہوئے ہیں۔

2۔وہ قران میں ناسخ ومنسوخ کا وجود مانتے ہیں۔

3۔انہوں نے قریش ساز کہانیوں کوقبول کرلیاہےاوروہ قریشی طرزِ تفہیم وترجمہ کو اختیارکرتے ہیں۔

4۔قریش سازاصطلاحات اورطرزفکرکواختیارکیاہے۔

ان کیلئے دعا کی ہے کہ حضور صاحب العصر والزمان علیہ السلام انہیں معذور سمجھ کر معاف فرمادیں اوراپنے شیعوں میں شمارفرمالیں۔آمین۔

☆☆☆☆☆

علامہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر کیلئے قریشی طرز فکر کو اختیار کیا ہے اس لئے انہوں نے اپنی کتاب کی بنیاد ہی غلط معنی پر رکھ دی ہے۔ تمام اہل علم جانتے ہیں اور علامہ بھی ضرور جانتے ہوں گے کہ لفظ ''توحید'' مصدر ہے اور ''تفصیل'' کے وزن پر بنتا ہے۔ اس لئے توحید کے معنی ''ایک ثابت کرنا'' یا ''ایک بنانا'' ہوتے ہیں اور علامہ کی پوری کتاب ہی اللہ کو ''ایک ثابت کرنے'' پر مشتمل ہے۔ لہٰذا دین کا پہلا اصول ''اللہ کا ایک ہونا'' نہیں ہے۔ بلکہ پہلا اصول اللہ کو ایک ثابت کرنا ہے اور دوسرا اصول اللہ کا عادل یا مجسمہ عدل ہونا ہے۔ یعنی ایسا ایک اللہ جو عادل ہو یا عدل ہو۔ واضح رہے کہ ''تفصیل'' کے وزن پر قرآن میں بہت سے مصدر آئے ہیں۔ جیسے ''توفیق'' (نساء 4/62) (ھود 11/88) توکید (نحل 16/91) اور تنزیل۔ ترتیل۔ تبدیل۔ یاد رہے کہ مصدر کے اردو معنی میں لفظ کرنا'' یا ''ہونا'' ضرور آتے ہیں۔ جس عربی لفظ کے معنی میں کرنا یا ہونا ہوں وہ یقیناً (To be) عربی کا مصدر ہوگا۔

یہ کہنا غلط ہے کہ ''اللہ ایک ہے'' ایک تو بہت سی چیزیں ہیں۔ مگر وہ اجزاء سے مرکب اور مخلوق ہیں۔ قریش نے تمام کلیدی الفاظ کے معنی بدل کر قرآن کا معنوی استقلال تباہ کر دیا تھا۔ نزول قرآن کے دوران ہی قرآن کے معنی بدل بدل کر قرآن کی تکذیب کر دی تھی (انعام 6/66) آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی شکایت پر اللہ نے قریش کو مجرم اور رسولؐ اللہ کا دشمن قرار دے دیا تھا (25/31) اور آنخضرتؐ کی ہدایت ونصرت کا وعدہ کر لیا تھا (25/31) لہٰذا ہم مجرموں اور دشمنان خدا و رسولؐ کا طرز ترجمانی و تفہیم قبول نہیں کرتے۔

کِتَابُ التَّوحِیدُ وَ الُعَدَلُ

دینِ اسلام کی بُنیاد یہ ہے کہ اللہ کی صفات و خصوصیات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اُس کی یکتائی اور عدالت ثابت ہوتی چلی جائے اور اُس کا بے مثل و بے عیب ہونا ظاہر و واضح ہو جائے۔ پھر یہ بیان کیا جائے کہ:

اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مسلسل اپنے نبیؑ اور رسوؑل اور تعلیمات بھیجتے رہنا جاری رکھا ہے اور یہ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے آخری رسوؐل و نبیؐ ہیں اور قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے۔ قرآن کریم میں آنحضرتؐ کے بعد تعلیماتِ خداوندی کا تسلسل امامت کے ماتحت جاری رہتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ آخری زمانہ آجائے جب تمام انسانوں کو جزا اور سزا اور حساب کے لئے زندہ کیا جائے گا اور دائمی زندگی جنت یا جہنم میں شروع کی جائے گی۔

حقیقی اسلام کے یہ پانچ بنیادی اصول ہیں:

اول: خدا کی یکتائی

دوم: خدا کا عادل ہونا

سوم: نبوت و رسالت

چہارم: اِمامتِ معصومینؑ

پنجم: قیامت یا اعمال کی جزا اور سزا کا دیا جانا۔

ان اصولوں کو ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہر عاقل و بالغ اور آزاد انسان پر اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔

1۔توحید۔ اللہ کوایک ماننا اسلام کی بنیاد ہے جس کا عقیدہ توحید ہی غلط ہے وہ بے دین و گمراہ ہے۔اللہ کو یکتا نہ ماننا اسلام کا انکار ہے اور یکتائی میں شکوک پیدا کرنا شرک ہے اور توحید یا کسی اور اسلامی حقیقت کو چھپانا کفر ہے۔

2۔کافر اور منکر اور مشرک کی نجات نہیں ہو سکتی ان کے نیک اعمال قبول نہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌO

’’یقیناً جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں اگر ان کے قبضے میں ساری دنیا کی دولت ہو اور اتنی ہی دولت اور بھی ہو اور وہ یہ چاہیں کہ اُس دولت کو فدیہ میں دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے بچ نکلیں تب بھی وہ دولت اُن سے فدیہ میں قبول نہ کی جائے گی اور ان کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے‘‘(مائدہ 5/36)

3۔اللہ کی ذات یا صفات میں شرکت ماننے والا بھی جہنمی ہے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ(نساء 4/48)

’’یقیناً اللہ اُس شخص کو نہ بخشے گا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے‘‘۔

4۔منافق بھی جہنمی ہے۔

جو شخص مصلحتاً مسلمان بنا رہے یعنی لوگوں کو دکھانے کیلئے اللہ کو مانے رسولؐ کو مانے،قرآن کو مانے اور تمام اسلامی عبادات بجالائے وہ بھی جہنمی ہے۔اللہ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَ سْفَلِ مِنَ النَّارِ

’’یقیناً منافقین آگ کے نچلے طبقے میں رکھے جائیں گے‘‘(4/145)

لہٰذا لازم ہے کہ انسان شرک اور منافقت اور حق کو چھپانے سے بچ کر رہیں۔کتاب التوحید میں شرک وکفر وانکار اور نفاق سے بچنے ہی کا بیان ہوگا۔اس لئے کتاب التوحید کوٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے تاکہ ہر پہلو اچھی طرح سمجھ میں آتا چلا جائے۔

توحید کا بیان

اللہ کی یکتائی میں پہلی ضروری بات۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌO(112/1)

’’اے نبیؐ لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ یکتا ہے (Unique)‘‘۔

یعنی ایسا ایک ہے کہ ویسا ایک کوئی اور نہیں ہے۔

2۔اللہ کی ذات میں یا قدرت وانتظام میں کوئی شریک نہیں۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَO (الانعام 6/163)

اے رسولؐ یہ بھی اعلان کردو کہ:’’اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے اُسی حقیقت کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں ساری کائنات میں سب سے پہلا اسلام لانے والا ہوں‘‘۔

3۔اللہ بے مثل و بے نظیر ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُO(42/11)

’’اللہ آسمانوں اور زمین کو فطرت اور قانون دینے والا ہے۔اسی نے تمہارے اندر اور مویشیوں کے اندر جوڑیاں بنائی ہیں تاکہ تمہاری نسلیں پھیلا دے۔کوئی اللہ کی مثل و مانند

نہیں ہے اور وہی حقیقی معنی میں سماعت اور بصارت کا خالق بھی ہے''۔

4۔ اللہ نہ کوئی جسم رکھتا ہے۔ نہ صورت۔

جسم وصورت میں کوئی اللہ کی مانند و مثل نہیں ہے۔ صفات وخصوصیات میں کوئی شے اللہ کی مثل نہیں ہے۔ نہ کام کرنے میں کوئی مثل و مانند ہے۔ جسم اور صورت مخلوق کی ہوتی ہے خالق کا جسم اور صورت کے عیوب اور نقائص سے مبرّا ہونا لازم ہے۔ جسم گھٹتا اور بڑھتا ہے محدود ہوتا ہے جسم کسی ایک سمت میں ہوتا ہے۔

شرکت جسمانی۔ ایسا خیال یا عقیدہ رکھنا جس سے اللہ کا جسم یا صورت ثابت ہوتی ہو یا جگہ اور سمت کا تعین ہوتا ہو۔ یعنی اللہ کے لئے الفاظ۔ یہاں ۔وہاں ۔اوپر ۔نیچے ۔آگے یا پیچھے۔ دائیں یا بائیں ۔کب اور کدھر بولے جاسکتے ہوں جو اللہ کی ذات میں تبدیلی ہونا یا اجزا سے مرکب ہونا یا محتاج ہونا یا حد بندی کرنا ثابت کرتے ہوں ۔سب اللہ کیلئے باطل ہیں ۔اللہ جسم کی تمام اقسام اور صورتوں سے مبرّا اور ارفع واعلیٰ ہے۔

تصورات میں اللہ کی گنجائش نہیں۔

تصور انسانی ذہن کی تصویر کو کہتے ہیں جو خیالات میں پیدا ہوتی ہے۔اور جو جسم ہی کی کوئی صورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جو چیز تصور میں آجائے وہ اللہ نہیں ہوسکتا۔ جسم یا بُت ہوگا اور اس کی عبادت بُت پرستی ہوگی۔

اللہ کی تجسیم کا عقیدہ باطل ہے۔

اللہ تمام جسم وجسمانیت رکھنے والوں کا خالق و مالک و پروردگار ہے اور جسم کی شرکت سے پاک اور مُنزہ ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں اللہ نے ایسے الفاظ استعمال

کئے ہیں جن سے اللہ کی جسمانیت کا شبہ پیدا ہوتا ہے وہاں بھی اللہ کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ وہ حضرات مراد ہیں جن کی ذواتِ مقدسہ کا باقاعدہ تعارف کرا کے نام یا منصب بتا کے اپنی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کو واجب کیا ہے۔ جیسے کہ:۔

یٰٓاَ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُ ولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ...الخ(نساء 4/59)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسوؐل کی اطاعت کرو۔ اُن صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم پر مقرر کیئے گئے ہوں'' معلوم ہوا کہ جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ان کی ذات کو اور ان کے اعضاء کو اللہ اپنی ذات اور اپنے اعضاء سے منسوب کرتا ہے۔ فرمایا ہے کہ:

اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَO(المائدہ5/55)

''تمہارے حکمران صرف اللہ ہے اور اللہ کا رسوؐل ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ناداری میں بھی زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں'' یہاں بھی اللہ کی جگہ اللہ کا رسوؐل اور ناداری میں زکوٰۃ ادا کرنے والے مومنین تمام مسلمانوں کے حکمران ہیں اور اللہ ان کی ذات کو اور ان کے اعضاء کو اپنی ذات اور اپنے اعضاء قرار دیتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اسْتَجِیْبُواْ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم لِمَا یُحْیِیْكُمْ---(8/24)

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسوؐل کی پکار پر لبیک کہا کرو جب کہ رسوؐل تمہیں زندگی بخشنے کے لئے بلایا کرے''

یہاں قارئین کو دو باتیں نوٹ کرنا ہیں پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت (8/24) میں اللہ اور رسوؐل دونوں الفاظ موجود ہیں اور فرمایا یہ گیا ہے کہ ''اللہ و رسوؐل کی پکار پر لبیک'' کہا کرو' لیکن پھر اللہ اپنا ذکر نہیں کرتا بلکہ اپنی جگہ بھی واحد کا صیغہ '' دَعَا '' بولتا ہے۔ ''جب رسوؐل تمہیں بلائے'' فرماتا ہے۔ یعنی رسوؐل کا تنہا بلانا بھی اللہ کا بلانا ہے دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ''زندگی بخشنا'' بھی رسوؐل کو سپرد کر دیا گیا ہے جو قدرتِ خداوندی کی انتہائی بات ہے۔

اللہ نے اپنی جگہ رسوؐل کو دے رکھی ہے۔

اللہ نے واحد کی ضمیر استعمال کر کے اپنا مقام رسوؐل کو بار بار عطا فرمایا ہے کہ:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ O (8/20)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اللہ کے رسوؐل کی اطاعت کرو اور رسوؐل کے خلاف ولایت نہ بناؤ اور تم ممانعت کو سنتے رہتے ہو''

یہاں بھی واحد کی ضمیر استعمال کی ہے۔ ورنہ تثنیہ استعمال کرنا ضروری تھا یعنی کہنا یہ چاہیے تھا کہ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُمَا۔ ان دونوں کے خلاف حکومت نہ بناؤ۔'' معلوم ہوا کہ رسوؐل کی حکومت خود اللہ کی حکومت ہے اور فرمایا کہ:۔

وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O وَإِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ O (24/48-49)

''اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسوؐل کی طرف بلایا جاتا ہے کہ رسوؐل ان کے درمیان فیصلہ کردے تو ان میں کا ایک فرقہ روگردانی کر لیتا ہے۔ اور اگر ان کا کوئی حق نکلتا ہے تو رسوؐل

کے پاس سر جھکائے چلے آتے ہیں۔'' یہاں بھی **لِیَحْکُمَ** واحد کا صیغہ ہے۔اور **یَأْتُوا اِلَیْه** میں بھی واحد کی ضمیر ہے۔

یوں تعارف کرانے کے بعد جن حضرات کو اللہ نے اپنی جگہ استعمال کیا ہے ان کی ذوات مقدسہ اوران کے اعضائے مبارکہ کو اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ان کے جذبات کو بھی اپنے جذبات قرار دیا ہے۔ورنہ اللہ کا نہ جسم وجسمانیات سے کوئی تعلق ہے نہ جذبات اوراعضا سے تعلق ہے نہ اللہ کا چہرہ ہے نہ رنگ وحُلیہ ہے صرف اُن حضرات کا تعین اور تشخص کرنے کے لئے اللہ نے الفاظ۔ید۔وجہ۔عین۔جنب۔وغیرہ استعمال فرمائے ہیں۔یہ یادرہے کہ ان الفاظ کے یا اسی قسم کے الفاظ کے معنی بدلنا قریشی سازش تھی۔وگرنہ اللہ جانتا تھا کہ مجھے اپنے لئے اعضاء کا استعمال نہ کرنا چاہئے۔اور ہاتھ کے بجائے لفظ **اختیار یا قدرت** استعمال کرنا چاہئیں۔تا کہ جسم واعضا کی نفی ہو جائے۔چونکہ اللہ اپنی توحید کا تحفظ کرنا بوعلی زیدی صاحب سے زیادہ جانتا ہے اس لئے اللہ کے استعمال کردہ الفاظ کے معنی بدلنا قریشی سازش کی تائید ہوگا۔انہوں نے اسی قسم کے بہانے کرکے معنوی تحریف وتکذیب کی ہے۔

1۔ ید اللہ لہٰذا جہاں جہاں انسانی اعضاء کا ذکر ہوا ہر آدمی سمجھتا ہے مثلاً وضو کی آیت (5/6) میں چہرہ، ہاتھوں، پیروں اور سر کا ذکر ہے۔یہاں کوئی شخص اللہ کو مراد لے ہی نہیں سکتا اور جہاں اللہ نے ایسی آنکھوں یا ایسے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔جیسی آنکھیں یا جیسے ہاتھ انسانوں کو نصیب نہیں ہیں وہاں بھی وہی آنکھیں اور وہی ہاتھ سمجھے جائیں گے جو اللہ نے اپنے نائبوں اور پوری کائنات پر تصرف رکھنے کے لئے دیئے ہوں مثلاً فرمایا کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ Oالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقاً مَّا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍO ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌO (67/1-4)

’’نہایت بزرگ و برتر ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ساری کائنات کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے۔ اور وہ ہر حال میں غالب رہنے والا غفور ہے۔ جس نے تہہ در تہہ آسمان بنائے ہیں تو رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پائے گا پھر نظر گھما کر دیکھو کیا تجھے کہیں کچھ خلل نظر آتا ہے؟ تو بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ تیری نظر ناکام تھک کر واپس آجائے گی‘‘

یہاں اللہ نے ہاتھوں کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا لازم ہے کہ یہاں رسولؐ اللہ اور نائبانؑ خداوندی کے ہاتھوں کو مراد لیا جائے جن کے ہاتھوں میں عملاً کائنات کی حکومت ہے۔ پھر ان آیات میں نائبانؑ خداوندی ہی کے عمل کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی بدعملی ان سے سرزد نہ ہوگی ورنہ باقی انسان تو کثرت سے بدعملی کرنے والے ہیں۔ اور جن کی نظر کی بات ہوئی ہے وہ بھی ایسی نظر والے ہیں کہ جو پوری کائنات کو بیک نظر دیکھ سکتے ہیں۔ پھر ان حضراؑت کو موت و حیات پر بھی قدرت دی گئی ہے۔

2۔ وجه الله پھر ان ہی حضراؑت کے چہروں کو اپنے چہرے سے منسوب کیا ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ... (بقرہ 2/115)

''اور مشرق و مغرب بھی اللہ ہی کے لئے ہیں چنانچہ تم جدھر بھی ولایت خداوندی کا تصور کرلو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہوگا''

یعنی اللہ کی حکومت ہمہ گیر ہے اور اللہ کے مقرر کردہ حکمراں تم پر ہر طرف سے نگراں اور متوجہ ہیں۔ امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ وجہ اللہ ہم ہیں۔ جن سے اللہ کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے اور جن کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت ہوسکتی ہے (اصول کافی)

اور فرمایا گیا ہے کہ: كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ O

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ کے چہرے کے، حکومت اللہ ہی کے لئے ہے اور تم سب کو اسی کی طرف رجعت کرنا ہے'' (28/88)

یہاں بھی وجھه سے محمدؐ و آل محمدؐ (۱۴ معصومینؑ) صلوٰۃ اللہ علیہم مراد ہیں۔ جنہوں نے اللہ کا تعارف کرایا ہے اور فرمایا کہ:

وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ O (55/27)

''اور تیرے پروردگار کا چہرہ باقی رہنے والا ہے جو عظمت و کرامت کا مالک ہے''

یہ اللہ کے وہ پسندیدہ حضراتؑ ہیں جن کے اعضاء اور جذبات و حالات کو اپنے ساتھ منسوب کیا ہے۔ چنانچہ نورؑ اول کے لئے فرمایا ہے کہ:۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ O (68/42)

''جس روز بنیادی حقیقت (نور محمدیؐ) سے حجاب اٹھایا جائے گا اور ان منکرین کو سجدے کرنے کے لئے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں گے'' یعنی سجدہ نہ کرسکیں گے''

آیت میں لفظ ساق آیا ہے جس کے معنی پنڈلی ہوتے ہیں جس طرح انسان کے

قیام کے لئے پنڈلی ضروری ہے اُسی طرح کائناتی قیام کے لئے نورِاوّل یا نور محمدؐ ی ضروری ہے۔ لٰہذا ایک روز اس نورؐ اول سے حجابات ہٹا دیئے جائیں گے۔ اور تمام مخلوقات کو سجدے کے لئے کہا جائے گا۔ منکرین کے علاوہ سب سجدے کریں گے۔ چونکہ اللہ کی معرفت اور دین کا انحصار نورؐ اوّل (محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم) پر ہے اس لئے نوراوّل ساق الٰہی ہے اسی نوراوّلؐ کے اجزا حجاب بشریت میں انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ قیامت میں انہیں حجاب بشریت سے نکال کر نورانی صورتوں میں پیش کیا جائے گا اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرح سجدہ کرایا جائے گا۔ العیون میں جناب امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ حجاب نوُرؐ کھل جائے گا۔ تو وہ مومن (جن کے دلوں میں عظمت محمدؐ و آل محمدؐ رہی ہے) سجدہ میں گر جائیں گے اور منافقین (جن کے دلوں نے عظمت محمدؐ و آل محمدؐ کو قبول نہیں کیا تھا) کی ریڑھ کی ہڈی لوہے کی سلاخ کی طرح سخت ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

3۔ اللہ کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ جسم و جسمانیات سے پاک اور لا محدود ہے وہ کسی ایک سمت میں نہیں سما سکتا کہ اسے سجدہ کیا جا سکے۔ نہ ہی اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ حجاب میں رہ سکے اور باہر آ سکے۔ اس کو سجدہ سے مراد اُس کے حکم سے سجدہ کرنا ہے جیسے کعبہ کی سمت کو یا آدم علیہ السلام کی طرف کو سجدہ کرنا۔ ابتدائے ہدایت میں ابتدائی حجۃ اللہ (آدمؑ) کو سجدہ کرانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انتہا میں انتہائی حجت اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کو سجدہ کرایا جائے گا۔ جو بحکم خدا اللہ ہی کو سجدہ ہوگا۔

جو لوگ لباس کے پجاری ہیں اور روح ہدایت کے منکر ہیں وہ کعبہ کو سجدہ کرتے

ہیں اور روح کعبہ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کے منکر ہیں ایسے ہی لوگ ہیں جو آدمؑ (لباس ہدایت) کے سجدے کے قائل ہیں اور روح الھدایت (محمدؐ و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم یعنی نور اوّل) کے منکر ہوسکتے ہیں۔ نوٹ کریں کہ مندرجہ بالا آیت (68/42) میں **السجود** کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بہت سے سجدے ہوتے ہیں۔ یعنی نورؑ اوّل کے حاملین 14 معصومینؑ کو یکے بعد دیگرے سجدے کرائے جائیں گے۔ اس کی وضاحت کیلئے بھی آیت موجود ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِO اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُO

(قیامت 75/29-30)

''اور ساق (نور) سے ساق (نور) ملتفت ہوجائے گی اس روز تیرے پروردگارؑ کے حضور چلنا ہے''

یہاں نورؑ کا نورؑ سے مسلسل لگاؤ دکھایا گیا ہے۔ مسلسل سجدے جاری رہنے کی بات ہوئی ہے اور پروردگار سے حضرت حجۃ علیہ السلام مراد ہیں۔ جن کو آخری سجدہ کیا جائے گا۔

4۔ پروردگار کا نورؑ

''اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور کتاب قائم کردی جائے گی اور تمام انبیاءؑ اور گواہ حاضر ہوجائیں گے اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور کسی کے ساتھ ظلم نہ ہوگا''۔	**وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآیْءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَO(39/69)**

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ رب الارض امامؑ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ہیں۔ حضرت **حجۃؑ** تمام اہل محشر کا فیصلہ کریں گے۔ تمام انبیاءؑ اور شہداءؑ جمع ہوں

گے۔ان ہی حضرتؑ کو دوسرے مقام پر **داع** فرمایا گیا ہے(6 تا8 / 54) جو محشر قائم کریں گے۔ یاد رکھیں کہ اللہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ قیامت کا مواخذہ اماؑم آخرالزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کریں گے ان کی طرف رجوع کو اللہ کی طرف رجوع قرار دیا گیا ہے اور امامؑ زمانہؑ عجل اللہ تعالیٰ الشریف ہی کو دیکھنے کے لئے فرمایا ہے کہ :۔

5۔رب کی طرف دیکھنا۔

إِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ Oوَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ O(75/23-24)

’’ زمین کے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہوں گے‘‘۔

اللہ جسم وجسمانیت سے پاک ہے۔وہ کسی ایک سمت میں محدود نہیں ہوسکتا۔نہ اس کی ذات میں تغیر وتبدل واقع ہوتا ہے۔اور قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کو آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا۔اس لئے یہاں نظر آنے والے رب سے امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ(6/103)اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ(7/143)موسیٰؑ سے کہا کہ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا‘‘

لٰہذا اللہ کے دیدار کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔حجت خداوندی کا دیدار ہی اللہ کا دیدار ہے۔

شرک: الفاظ سے نہیں ہوتا مقصود ومدعا غلط ہونے سے شرک ہوتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًاO(17/24)

’’کہا کرو کہ اے میرے پروردگار تو ان دونوں میری ربوبیت کرنے والوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے میرے بچپن میں رحم فرمایا تھا‘‘۔

یہاں آیت میں پہلے نمبر پر آنے والا رب اللہ ہے۔اس لئے کہ وہ دونوں ربوبیت کرنے والوں پر رحم کرنے والا ہے اور دوسرے نمبر پر ربوبیت کرنے والے ماں باپ رب ہیں۔جو اپنے اوپر رحم نہیں کرسکتے۔یہی دلیل ہے ان کے مُربّی ہونے کی۔قرآن میں فرعون کو بھی رب کہا گیا ہے(12/42 وغیرہ)

6۔عین اللہ۔ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ:

''تم ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور مجھ سے ظالم لوگوں کے متعلق کوئی بات نہ کرنا اُن کو تو غرق ہونا ہی ہے''	وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِأَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِیْ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا إِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَO(11/37)

یہاں اللہ نے نور محمدؐی اوراجزائے نور محمدؐی کی آنکھوں کو اپنی آنکھیں قرار دیا ہے۔اس لئے کہ نہ تو اللہ کے ساتھ مادی اور جسمانی آنکھیں شریک ہیں اور نہ اللہ نگرانی کے لئے کسی خاص جگہ میں محدود ہوسکتا ہے۔البتہ محمدؐ وآل محمدؐ مخلوق ہیں وہ ایک جگہ میں محدود بھی ہوسکتے ہیں اور جسمانی آنکھوں سے نگرانی بھی کرسکتے ہیں۔جیسا کہ تمام نبیوںؑ کی تصدیق اور دیکھ بھال کے لئے متعین ہوئے تھے(3/81)اور امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ و السلام سے منقول ہے کہ ہم عین اللہ ہیں خدا کی مخلوق پر یعنی نورؐ اوّل اللہ کی طرف سے ساری مخلوقات پر نگراں ہے۔(اصول کافی کتاب التوحید صفحہ 169)

7۔اذن اللّٰہ قریش رسولؐ اللہ کو ستانے کے لئے کہتے تھے کہ وہ کانوں کے کچے ہیں ہر کسی کی غلط اور صحیح بات سن لیتے ہیں۔اللہ نے ان کو جواب دلوایا تھا کہ:۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُواْ مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ O(9/61)

''ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبیؐ کوایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کانوں کا کچا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ وہ تو تمہارے لئے اچھا کان ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مخصوص مومنین پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے رحمت ہیں اور جو لوگ رسولؐ اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

اذن الواعية لقب ہے حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جیسا کہ ان کی زیارت میں مذکور ہوتا ہے

8۔ جنب اللّٰہ۔ جنب کے معنی پہلو کے ہیں۔

أَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِيْنَ O(39/56)

''ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یوں افسوس کرے کہ ''ہائے افسوس مجھے حسرت رہ گئی کہ میں نے اللہ کے پہلونشین کے ساتھ کوتاہی نہ کی ہوتی اور میں نے انہیں مسخر کرنے میں کوشش نہ کی ہوتی''

یہاں جنب اللہ حضرات آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کو فرمایا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہ حضراتؑ عرش خداوندی پر بیٹھنے والے اور حکمرانی کرنے والے ہیں اس لئے ان کو اللہ کا پہلونشین فرمایا گیا ہے۔ (کافی)

9۔ جبل اللہ۔ اللہ کی پہلی مخلوق، نور محمدیؐ تعارف خداوندی کا ذریعہ ہے اور باعث تخلیق کائنات ہے۔ ساری کائنات سے ربط وضبط چودہ معصومینؑ وہ ذریعہ ہیں جو اُدھر اللہ

سے ملحق اِدھر مخلوق سے وابستہ ہے اس ذریعہ سے وابستگی کا حکم دیا گیا کہ :

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ..... (3/103)

''اورتم سب عصمت اورتحفظ کیلئے اللہ کی رسی کو تھام لو اورتفرقہ نہ ڈالو اوراللہ کی اس نعمت کا ذکرکرتے رہو جوتم پر جاری کی گئی ہے کہ تم سب آپس میں دشمن تھے۔تمہارے دلوں میں الفت بھر کرتمہیں ایک دوسرے سے نتھی کردیا اورتم بھائیوں کی طرح نئی زندگی کا آغاز کر سکے ہو۔اس نعمت کو برقرار رکھو''۔

امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آل محمدؐ اللہ کی مسلسل اور مضبوط رسی ہیں انؑ سے متمسک رھنا ہدایت کی بنیاد ہے۔

10۔ نفس اللہ لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰٮةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُO(3/28)

''مومنین مومنین کے سوا کافروں کو اپنے حکمران نہ بنائیں اور جوکوئی ایسا کریگا اسکا اللہ سے کوئی تعلق نہ رہیگا۔البتہ تقویٰ کی حدود میں رہنے کیلئے جائز ہے۔مگر اللہ تمہیں اپنے نفس سے بچنے کی تاکید کرتا ہے اورتمہیں اللہ کے نفس کے سامنے پلٹ کر جانا بھی ہے''

اس آیت میں مسئلہ تقیہ بیان ہوا ہے اوراجازت ملی ہے کہ حق کو چھپانے والوں کے اقتدار وحکومت کوفریب میں مبتلا کر کے معصومین علیہم السلام کی پالیسیوں کو پروان چڑھایا جائے گا مگرنفس اللہ کے روبرو پہنچ کرتمہارا عملدرآمد صحیح نکلے تب بات ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔امام زمانہ علیہ الصلوۃ والسلام آخری فیصلہ فرمائیں گے۔

چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر بزرگ اللہ کی ذات یا نفس اللہ ہے۔ اور ان ہی سے آیت میں اللہ نے ڈرایا یا خبردار کیا ہے۔

11۔ روح اللہ۔ اللہ نے تخلیق آدمؑ مکمل کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ O(15/29)

''جیسے ہی میں آدمؑ کو سنوار لوں اور اس میں اپنی روح داخل کردوں تو تم سب سجدے میں گرے ہوئے ملنا''

یہاں تین باتوں پر غور ضروری ہے اول آدمؑ کو سنوارنے میں مختلف کام کرنا پڑیں گے جو توحید کے خلاف ہیں۔ پھر روح داخل کرنے میں بھی اللہ میں تغیر وتبدل اور حرکت توحید کے خلاف افعال ہیں۔ تیسری بات ''اپنی روح'' فرمانا بھی خلاف توحید ہے۔ لہٰذا اللہ نے نورؐ محمد کو اپنی ذات سے منسوب کیا اور نورؐ کو آدمؑ میں داخل کیا اور باقی تخلیق آدم علیہ السلام کے تمام مراحل حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجام دیئے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں خمیر کرنا ان ہی حضرتؐ سے متعلق ہے۔

یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ نور محمدیؐ کی تخلیق کے کروڑوں اربوں سال بعد باقی اشیاء کائنات ومخلوقات کی تخلیق کی گئی تھی۔ ارواح اور ملائکہ لوح وقلم وعرش وکرسی وغیرہ سب بعد کی مخلوقات ہیں۔ روح القدس بھی بعد کی مخلوق ہے۔ حقیقی اور بنیادی چیز نور محمدیؐ ہے اور نور محمدیؐ اور نور فاطمہؑ کی تخلیق میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے پھر یہی اولین نورؐ باقی مخلوقات کی تخلیق کا سبب ہے لہٰذا روحنا۔ روحی۔ روح من امرہ۔ روح القدس۔ وغیرہ نام نور محمدؐ کے اجزا کو طرح طرح سے پیش کرتے ہیں۔

یہ بات نوٹ کریں کہ نور محمدیؐ اپنی ہمہ گیری میں ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ حضرت

آدم علیہ السلام میں ودیعت ہونے کے بعد بھی یہ چودہ حضراتؑ برسر کار رہے ہیں (3/81) ان کی پوزیشن دوہری یا ہمہ گیر رہی ہے۔عرش پر بھی موجود تا کہ قدرت اور فیض جاری رہے۔انبیاءؑ کی نگرانی وہدایت وتصدیق بھی جاری رہے (3/81)۔

جسمانی صورت اختیار کرنے کے ہر مرحلہ میں بھی موجود۔اور مخلوقات کے لئے وہ تمام ذمہ داریاں ادا کرنا جن کے کرنے میں توحید میں عیب ونقص پیدا ہوتا ہو۔''کُـن'' کہنا بھی تو بہت سے نقائص وعیوب پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں عقل وبصیرت حیران ہوکر رہ جاتی ہیں۔لہٰذا ہم ان کو سمجھ چکنے اور معرفت حاصل کر لینے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ہم طالب علم ہیں باب العلم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔

جسمانی شرکت کا خلاصہ۔

قرآن کریم کے بیانات میں جہاں بھی ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے اللہ کی ذات میں عیب یا نقص واقع ہوتا ہے۔وہاں اللہ کی ذات سمجھنا سخت غلطی ہے۔اس جگہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ کو مراد لینا چاہئے تا کہ تعارف خداوندی کا عظیم مقصد پورا ہوجائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور براہ راست خدا کی ذات مراد لی گئی تو یہ شرک صریحی ہوگا۔یادرکھیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصوصاً فرمایا ہے کہ ذات خداوندی عقل و بصیرت کے دائرے میں محدود ہونے والی ہرگز نہیں ہے جو چیز بھی عقل ووہم وتصور میں آتی ہے وہ محدود ہوجاتی ہے اور اللہ عقل ووہم وتصور سے باہر رہ جاتا ہے۔

یادرکھو کہ وہ صورت پیدا نہ ہونے دو کہ اللہ معطل ہوکر رہ جائے اور اللہ کسی چیز کی مانند ومثل بن جائے۔

☆☆☆☆☆

دوسرا باب 2 ''شرکت صفاتی''

صفات کا بیان۔ کسی چیز کی کسی خصوصیت کے ساتھ حد بندی کرنے کو اس چیز کی صفت کہا جاتا ہے۔ مثلاً رحیم وہ شخص ہے جس کی حد بندی رحم کے ساتھ کردی جائے۔ جو رحم کے دائرہ میں محدود ہوتا ہے۔ اس میں قہر نہیں ہوتا۔ اس طرح عالم ہے۔ جو علم کے دائرہ میں محدود ہوتا ہے اور اس میں جہالت نہیں ہوتی۔

اللہ محدود ہستی نہیں۔

اللہ تمام صفات کا خالق ہے۔ یعنی صفات اللہ کی مخلوقات ہیں اور اللہ اپنی مخلوق کو شریک نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ کی ذات میں کوئی صفت شریک وشامل نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبے میں اللہ سے تمام صفات کی نفی کی ہے۔ یہ نفی اس قاعدے کے مطابق ہے کہ رحیم اسی وقت تک رحیم ہے جب تک وہ قہر نہ کرے۔ جب وہ قہر کرتا ہے تو اسے قاہر کہا جائے گا۔ اب وہ رحیم نہیں ہے۔ یعنی اس کی حالت میں تغیر یا تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ اب وہ برابر قاہر رہے گا جب تک قہر کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس میں پھر تبدیلی یا تغیر پیدا نہ ہوجائے۔ لہٰذا اللہ سے صفات کی نفی اس لئے لازم ہے کہ یا تو اس میں بار بار تبدیلی واقع ہونا ماننا پڑے گا۔ اور ہر تبدیلی کمزوری پیدا کرتی ہے لہٰذا اللہ کو فانی ماننا پڑے گا۔ اور اگر اللہ میں صفات کو مستقل مان لیا جائے تو جتنی صفات مانی جائیں گی اتنے ہی اللہ ماننا پڑیں گے تو اللہ ایک نہ رہے گا۔ اور یہ بات توحید کے خلاف ہوگی۔ لہٰذا نہ اللہ محدود ہے۔ نہ فنا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ بہت سے اللہ ہیں۔ لہٰذا صفات کی نفی لازم ہے تاکہ توحید برقرار رہے اور تغیر وتبدیلی یعنی نقص وعیب سے مبرّا ومنزّہ مانا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ کی صفات مذکور ہیں۔

وہ تمام عمدہ اور اچھی صفات قرآن میں اختیار کی گئی ہیں جو انسانوں کی صفات ہیں تاکہ اللہ کے کام اور احکام بیان کئے جاسکیں اور انسانوں کی سمجھ میں اللہ کا منشا سما سکے۔ یہ انسانی زبان کی کمزوری اور مجبوری ہے ورنہ کوئی اور طریقہ اور ذریعہ موجود نہیں ہے جس سے منشاء خداوندی ہماری سمجھ میں آسکے۔ لہٰذا اللہ نے ہماری مجبوری اور فہم کی کمزوری کی وجہ سے ہماری زبانوں کو اپنا مقصد سمجھانے کیلئے اختیار فرمایا ہے۔ زبان بھی مخلوق ہے اور زبان کا ہر لفظ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور صفات بھی اللہ نے پیدا کی ہیں اور ہم بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا مخلوق تک اپنا مقصد و مدعا پہنچانے کیلئے اللہ نے مخلوق زبان میں مخلوق الفاظ میں اور مخلوق صفات کے ذریعہ کو اختیار کیا ہے اور راہنمایانؑ انسانیت کو حقائق کائنات کا مشاہدہ کراتے کراتے راہنمائی میں اکملیت (ماسٹری) عطا کردی تھی۔ تاکہ نوع انسان وحیوان وملائکہ وارواح وجنات وغیرہ وغیرہ کو اُن کے فہم وفراست کے مطابق ہدایت کرتے چلے آئیں اور حق و باطل اور صحیح وغلط کو واضح کرتے رہیں۔ چنانچہ توحید کے ماسٹر حضرت علی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے دنیا کو پہلی دفعہ توحید پر خطبہ دیتے ہوئے خدا کی ذات سے تمام صفات کی نفی کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام صفات حسنہ اور تمام اسماء الحسنیٰ اور تمام اعلیٰ درجہ کی مثالیں (16/60) پہلی اعلیٰ ترین مخلوق یعنی نور محمدیؐ واجزائے نور محمدیؐ سے وابستہ کی جائیں گی اور ان میں قائم و برقرار رکھی جائیں گی اور ان کی وجہ سے اللہ ان صفات اور اسماء اور مثالوں کو اپنے ساتھ منسوب کرلے گا۔ لیکن شرط وہی ہے کہ اللہ کی ذات سے ان کی نفی کردی جائے۔ یہی سبب تھا کہ پہلے باب میں ہم نے اللہ کے ہاتھ میں کائنات کی حکومت (67/1) ماننے کے بجائے اللہ سے لفظ ''بیدہ'' کی نفی کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا دست مبارک مراد لیا تھا۔ یہ اس لئے کہ: ''بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
اور آنحضرتؐ کا منصب بھی ساری کائنات کو نظر میں رکھنا اور عملی و مشہود حیثیت سے کائنات
پر تصرف کرنا اور حکومت و تدبیر امور کرنا ہے۔

مجسم ذکر محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔

اللہ نے قرآن میں ذکر مجسم کو نازل کیا تھا تاکہ وہ آیات سنائیں اور مومنین کو ایک مجسم نورؐ
کی طرف بھیجتے رہیں چنانچہ فرمایا گیا کہ:

.......فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا O رَّسُوْلًا يَّتْلُوْ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ....... (65/10-11)

''اے صاحبان شعور مومنین تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرلو اس لئے کہ اللہ نے تمہارے پاس ایک رسولؐ مجسم ذکر کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔ جو تمہارے سامنے اللہ کی بولتی ہوئی آیات تلاوت کرتا ہے تاکہ جو مومنین ایمان لاتے اور اعمال صالح اختیار کرتے جائیں انہیں وہ رسولؐ اندھیروں سے نکالتا اور ایک مجسم نورؐ سے وابستہ کرتا چلا جائے۔''

نازل کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس رسولؐ کو خالص نورانی صورت سے تنزل دے کر جسمانی صورت میں بھیجا گیا ہے تاکہ تم دیکھ سکو مل سکو باتیں کرسکو۔ قرآن کو نازل کرنے کا بھی یہی مطلب ہے وہ لوح محفوظ میں تھا تو اور صورت تھی اسے بھی تنزل دیا گیا ہے۔ اب وہ تمہارے چھونے اور پڑھنے اور ساتھ رکھنے کے قابل ہو گیا ہے ورنہ تمہاری مادی رسائی نہ رسولؐ تک ممکن تھی نہ قرآن تک تمہارا گزر ہو سکتا تھا۔ ظلمات سے مراد اجتہادی مسائل ہیں اور نورؐ سے حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جو نبوت کے بعد امامت کی تعلیم دیں

گے۔العیون میں جناب امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ الذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اوراہل الذکر سے مراد ہم آل رسولؐ ہیں جن سے دریافت کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

فَسۡـَٔلُوۡا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَO(16/43)

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلؑ الذکر یعنی اہلبیتؑ رسولؐ سے پوچھ لو''

یہاں یہ ثابت ہوگیا کہ دینؐ ناطق اور ذکرِؐ مجسم اور دؐین مجسم رسولؐ اللہ کی ذات پاک ہے اور نورؑ مجسم حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان کے بعد مسلسل آئمہ طاہرؑین اپنے اپنے زمانہ میں دین ناطق اور دین مجسم اور قرآن ناطق ہیں۔ان کے فرمانات حدیث ہیں اور ان کا عمل سنت ہے جو عین روح رسولؐ وعترت رسولؐ ہیں اور ہدایت خداوندی کی اصل اور بنیاد ہیں۔

مجسم نور ہی مجسم ایمان ہے۔

''قال رسولؐ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم لعلی علیہ السلام برزالایمان کلہ الی الکفر کلہ (حدیث متفق علیہ)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کے لئے فرمایا کہ سارا ایمان سارے کفر کی طرف جارہا ہے'' (جنگ خندق میں) معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام ایمان وجودی ہیں اور ان کا مخالف یا ان سے جنگ کرنے والا کفر وجودی ہے۔

امامؑ زمانہ ہی حجۃ اللہ اور دین حقیقی وایمان کلی ہوتا ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ :قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم من مات

ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃً جاهلیۃً

''جو شخص اپنے زمانہ کے امامؑ کو پہچانے بغیر مرجائے وہ بے دینی کی موت مرتا ہے''

یعنی امامؑ زمانہ اللہ کی حجتؑ اور اللہ کا نمائندہ اور اللہ کی طرف سے منصوص راہنما اور ہادی دین وایمان ہوتا ہے اور اسی کا علم، علمِ وجودی ہوتا ہے اگر انسان ایسے امامؑ کی معرفت حاصل کرنے کا موقعہ رکھتا ہو اور پھر بھی امامؑ زمانہ سے رابطہ نہ رکھے اس سے دین کے احکام حاصل نہ کرے اور مرجائے تو اس کا شمار گمراہوں بے دینوں اور جان بوجھ کر غیر مسلموں میں ہوگا۔

حقیقت اسی قدر ہے کہ امامؑ زمانہ کے بغیر ہدایت وایمان اور نیکیاں اپنی حقیقی صورت میں کہیں باقی نہیں رہ سکتیں۔ جیسے سورج کے بغیر دھوپ اور شعاعوں کا وجود تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ صرف الفاظ اور نام رہ جاتے ہیں۔ دھوپ دھوپ کہتے رہنے سے کوئی شخص گرم نہیں ہوسکتا۔ روٹی روٹی ہزار مرتبہ کہہ کر دیکھ لو ہرگز پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اسی طرح امامؑ زمانہ یا حقیقی راہنماؑ کے بغیر ہزار نمازیں پڑھو۔ روزہ کی تکلیف برداشت کرو۔ نہ نماز نماز شمار ہوتی ہے نہ روزہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور عملاً جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہی تو ہے کہ آپ اور زیدی صاحب پنجوقتہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں مگر مندرجہ بالا حدیث کی رو سے تمہاری عبادتیں بے نتیجہ رہتی ہیں۔ اگر نہیں تو بتایئے کہ اتنی طویل مدت تک نمازیں پڑھنے سے کیا نتیجہ نکلا؟ جو جواب تم یا زیدی صاحب دیں گے یا جو جواب آپ دے سکتے ہیں وہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے اور تمہارا جواب اور سنیوں کا یا ناصبی لوگوں کا جواب ایک ہی ہوگا۔ اس لئے کہ تم دونوں کا تعلق امام زمانہ علیہ السلام سے نہیں ہے۔ لہٰذا نماز نماز کہنے یا پڑھنے سے ہدایت اور نیکی اور عبادت کا اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔ زیدی صاحب خود لکھتے ہیں

اور مانتے نہیں۔ جوہر اور عرض کے چکروں میں پھنسے ہوئے تیلی کے بیل کی طرح کولھو میں سارے دن چلتے ہیں اور شام تک وہیں رہتے ہیں جہاں صبح تھے۔ حالانکہ سارا دن چلنے سے ایک منزل کا فاصلہ طے ہوسکتا تھا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

شیطان اکیلا مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک کے انسانوں کو دیکھتا ہے اور وہی نہیں بلکہ اس کا قبیلہ بھی سب کو دیکھتا ہے (7/27) اور ان کے گمراہ کرنے کا سارا خداداد سامان بھی رکھتا ہے اور وہ گمراہی اور بے دینی کا مجسم ادارہ ہے وہی ہے جس میں حقیقی گمراہی، بے دینی اور کفر ونفاق کا وجود ہے۔ جس طرح ہادیِ دین اور حجۃ اللہ سے تعلق کے بغیر ہدایت اور نیکی اور عبادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی طرح گمراہی، بے دینی اور کفر کا الگ سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ شیطان سے تعلق یا اس کے نمائندوں سے رابطے کے بغیر گمراہی بے اثر اور بے نتیجہ رہتی ہے اور اس کے متعین کئے ہوئے نمائندے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے یا ان سے سنے ہوئے اعمال کرنا ہی گمراہی کی دلیل ہیں۔ ان کے بغیر گمراہی اپنا وجود نہیں رکھتی اور ان سے تعلق کے بغیر گمراہی بے اثر اور بے نتیجہ رہتی ہے اور شمار میں نہیں آتی ہے۔ یہاں وہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ اگر ایمانؑ وجودی یا امامؑ زمانہ سے تعلق ہے تو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا تا ورنہ ہر گناہ اور گناہ کا تصور بھی نقصان پہنچائے گا۔ اس لئے کہ حقیقیؑ دین یعنی امامؑ زمانہ اور دین مجسمؑ وایماںؑ مجسم کی رضا مندی کے خلاف ہوگا اور شیطان کی خوشنودی کا سبب ہوگا۔

ایمان وجودیِ یا امامؑ زمانہ بھی مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہی نہیں بلکہ ساری کائنات (Universe) اور تمام عالمین کی مخلوقات کو نظر میں رکھتے ہیں اور ان کے ظاہر وباطن کو دیکھتے ہیں۔ ان کی نیتوں اور ضمائر پر مطلع ہوتے ہیں اور اپنی

معرفت رکھنے والوں اور ماننے والوں کی ہدایت اور راہنمائی پر قدرت رکھتے ہیں اور شیطان کے مقابلے میں ان کا دفاع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر اپنا رحم و کرم ارزاں رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر کفر وجودی یعنی ابلیس زندہ اور آزادانہ موجود نہ ہو تو گمراہیوں برائیوں اور بے دینی کا وجود اور بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور اسی طرح اگر ایمان وجودیؑ یا امامؑ منصوص من اللہ ہادی زندہ اور موجود نہ ہو تو ہدایت اور نیکیوں اور دینداری کا وجود اور بنیاد بھی ختم ہو جائے گی۔ اور دلوں سے نیکی کا جذبہ اور روح احساس بھی نکل جائے گی۔ جو امامؑ زمانہ کے وجود کی بنا پر موجود ہیں۔

لہٰذا کسی بھی انسان کو اس کے اپنے خود ساختہ اعمال یا سنی سنائی عبادتیں یا ادھر ادھر سے چرائے ہوئے اعمال نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسے کہ عرض کیا گیا ہے کہ روٹی روٹی کہنے سے پیٹ نہ بھرے گا یا چرائی ہوئی روٹیاں کھانا مفید نہ ہوگا۔ بلکہ مواخذہ اور باز پرس میں اضافہ ہوگا۔ نجات اسی صورت میں ملے گی جب کہ ایمان وجودیؑ سے تعلق ہوگا۔ اور اُسیؑ کے بتائے ہوئے اعمال بجالائے جائیں گے تو امامؑ زمانہ کی خوشنودی اور قربت ملے گی ان کی محبت اور شفاعت سے بخشش ہوگی۔ اعمال تو ھادی کی اتباع اور پیروی کا ثبوت بنیں گے۔ امامؑ تک رسائی کا ذریعہ قرار پائیں گے۔ مگر نجات امامؑ منصوص کے فیض اور شفاعت سے حاصل ہوگی۔ اسی لئے ہدایت کی بنیاد یعنی محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے تعلق، رابطہ اور معرفت ضروری ہے۔ اور یہی مقصدِ حیات ہونا چاہئے۔

ذکر وجودیؑ کی اطاعت ہی عبادت اور نجات کی ضامن ہے ورنہ گمراہی ہے۔

اُبی بن کعب صحابی نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرتؐ نے اسے آواز دے کر بلایا۔ اس نے نماز جاری رکھی اور نماز مکمل کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اللہ کا رسولؐ خفا

اور نا خوش تھا۔اس صحابی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نے تجھے بلایا تھا تم نے میرے بلانے کی پرواہ نہ کی ۔صحابی نے نماز کا عذر کیا تو حضورؐ نے پوچھا کہ تمہیں نماز کس نے بتائی تھی ؟عرض کیا کہ آپؐ ہی نے نماز سکھائی ہے ۔اب رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ذکرِ وجودیؐ کے حکم کی تو تعمیل نہ کی اور ذکر صوتی کی تعمیل کی ۔لہٰذا ایسی تعمیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے جو ایمان وجودیؐ یعنی حقیقت ایمان کی نافرمانی کرادے۔یعنی رسولؐ کا یا امامؑ زمانہ کا حکم ماننا لازم ہے ۔خواہ نماز توڑ کر تعمیل ہوتی ہو یا کوئی اور نیک عمل ترک کرنا پڑتا ہو۔اس لئے کہ عمل اسی وقت تک نیکی رہتا ہے جب تک امامؑ زمانہ کی خوشنودی شامل رہے ورنہ اعمال کی پابندی بت پرستی بن جائے گی ۔اعمال تو آپ کے اختیار میں ہیں ۔ کریں گے تو ہوں گے نہ کرو گے تو نہ ہوں گے۔بت بھی آپ کے اختیار میں ہیں۔یا آپ کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اپنے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کا وہی حال ہے جو اپنے اختیار کردہ اعمال کا حال ہے ۔خواہ وہ اعمال رسولؐ ہی نے کیوں نہ بتائے ہوں۔ان کی پابندی کرنا اور امامؑ زمانہ کے حکم کی اطاعت نہ کرنا بت پرستی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔اگر امامؑ زمانہ نے حکم دیا ہو کہ میرے بلانے کے بعد بھی نماز نہ توڑنا ،تو وہ نماز کا نہ توڑنا ممکن ہے کہ امامؑ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے حکم ہی کی تعمیل ہو مگر ہم یہ سوچیں گے کہ جس طرح ہمیں یاد ہے کہ امامؑ زمانہ ہی نے فرمایا تھا۔کہ میرے بلانے پر بھی نماز نہ توڑنا اسی طرح امامؑ زمانہ بھی نہیں بھول سکتے کہ نہ توڑنے کا حکم انہوں ہی نے دیا تھا۔لیکن پھر بھی مجھے بلا رہے ہیں لہٰذا ہم امامؑ زمانہ کی آواز سنتے ہی پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز ہو حج کا طواف ہو ایک دم اسے چھوڑ دیں گے اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے لہٰذا ہم ہر تازہ حکم کی اطاعت کریں گے اور قرآن کے حکم کو پہلا نمبر دیں گے یعنی اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَأَنَّهٗ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَO(8/24)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ اور رسولؐ کی پکار پر فوراً لبیک کہا کرو جب کہ رسولؐ تمہیں زندگی بخشنے کے لئے بلایا کرے۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہونا ہے'' (یہ آیت پہلے آ چکی ہے) یہاں اللہ کا حائل رہنا امام علیہ السلام کا حائل رہنا ہے اس لئے کہ حشر کسی ایک مقام پر ہوگا اور کسی ایک مقام پر اللہ ہوتا نہیں وہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم امام علیہ السلام کے ہر نئے اور تازہ حکم کی تعمیل کریں گے اور نماز کو یا کسی اور عبادت کو امامؑ کے مقابلے میں ترجیح نہ دیں گے۔ بلکہ اگر وہ فرمادیں کہ نماز پڑھا ہی نہ کرو تو اپنا اجتہاد نہ کریں گے۔ اور زیدی صاحب کو معلوم ہو کہ ہم مکمل قرآن کے نازل ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ قریشی سازش تھی کہ 23 سال میں نازل ہونا بتایا جائے تا کہ رسولؐ پورے قرآن کے عالم نہ کہلائیں۔ ابی بن کعب نماز توڑ کر نہ آیا تو اللہ نے ایک آیت نازل کردی جس کا خود رسولؐ کو بھی معاذ اللہ علم نہ تھا۔ علم تھا اسی لئے تو خفا ہوئے کہ تعمیل کیوں نہ کی جب کہ اللہ کا حکم موجود تھا۔ ورنہ ابی بن کعب کا نہ آنا صحیح عمل تھا جیسا کہ تم نے لکھا ہے کہ: ''اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ ذکر وجودی (رسولؐ) کے حکم کی اطاعت (نماز میں بھی) روحانی وحقیقی زندگی اور فیض کا نام ہے اور اسکے بالمقابل تمہارا ایمان وعمل (مثلاً نماز) عدم تعمیل حکم (ذکر وجودی) میں مثل موت (بے فیض چیز) کے ہے''۔

ذکرِ وجودیؐ جو اللہ کا مقرر کردہ وسیلہ ہے وہی باعث نجات و باعث حیات روحانی ہے اور اس کے مقابل تمہارا گھڑا ہوا عمل مثلاً نماز و روزہ وغیرہ مثل موت کے بے فیض ہے''

ہمارے اعمال تو حجج اللہ کی عملاً قربت حاصل کرنے اور پیروی کر کے ساتھ دینے کے

مترادف ہیں۔جن کے ذریعہ ہم حجج اللہ کے ساتھ (شفاعت) کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اعمال ہی کا نجات کیلئے کافی ہونا محال ہے ۔ جو خود ہمارے محتاج اور ہمارے مصنوع (مخلوق) ہوتے ہیں۔جولوگ صرف اپنے اعمال کے ذریعہ (بغیر شفاعت حججؑ اللہ) نجات کے قائل ہیں وہ اپنے مصنوعہ (مخلوق مثل بُت) سے شفاعت کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے (خلیفہ) حجج اللہ کے بجائے اپنے گھڑے ہوئے (بت) اعمال کو تسلیم کرتے ہیں جو خدا کی ایک قسم سے ہمسری ہے۔

اعمال کی نتیجہ خیزی۔

بنیادی تصور یہ رکھنا چاہئے کہ امامؑ زمانہ ہر وقت اور ہر صورت میں واجب الاطاعت ہے۔کوئی نیک عمل اس کی خوشنودی کے بغیر نیکی نہیں بنتا ہے۔گویا نیکی امامؑ زمانہ کی خوشنودی میں ہے۔اعمال صالحہ بذات خود نیکی نہیں ہیں۔چونکہ بعض اعمال صالحہ مسلسل نبیوںؑ میں جاری رہتے چلے آئے ہیں۔ہر نبیؑ نے ان پر عمل کیا۔ان کو بجالاتے رہنے کا حکم دیا ہے۔اس تواتر اور لگاتار وقوع نے ان اعمال کو بذات خود نیکی بنا دیا ہے۔لہٰذا حکم ملے یا نہ ملے وہ اعمال برابر عبادت رہیں گے یہ تصور بت پرستی ہے۔کسی عمل کو مستقل طور پر عبادت سمجھنا بت پرستی ہے۔جو آج کل شیعہ وسنی دونوں کررہے ہیں۔یہ اس لئے بت پرستی ہے کہ اس تصور اور عملدرآمد سے امامؑ زمانہ بے کار محض ہو کر رہ جاتا ہے ۔ اور اس کی ضرورت سامنے آتی ہی نہیں ہے۔لہٰذا پنجوقتہ نماز پڑھنا۔سال بھر میں رمضان کے روزے رکھنا۔واجب زکاۃ ادا کرنا۔خمس نکالنا اور حج کر لینا۔کوئی مسئلہ پیش آئے تو تحفۃ العوام کے مطابق عمل کرنا۔لوگ اس پر عمل کررہے ہیں۔اب بتایئے کہ امامؑ زمانہ کی ضرورت کہاں پڑے گی؟ یہ تمام پروگرام صرف اس لئے بت پوجا ہو جاتا ہے کہ اس پروگرام نے امامؑ زمانہ

کو بے کار کر دیا ہے۔لہٰذا نہ یہ نماز فائدہ پہنچائے گی نہ کوئی اور عبادت کام آئے گی۔کام آنے کی چیز خوشنودی امامؑ زمانہ ہے۔مندرجہ بالا پروگرام یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ جب اس پروگرام پر پابندی سے عمل کرلیا جائے توامامؑ زمانہ کواوراللہ کوخوش ہونا ہی پڑے گا۔یعنی یہ پروگرام اللہ ورسولؐ کواورامامؑ زمانہ کومجبور کر دیتا ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

گزشتہ صفحہ کو بار بار پڑھئے اور چاروں طرف مسلمانوں کے اعمال وتصورات کو دیکھئے تو ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔اورآپ دیکھیں گے کہ مسلمان (شیعہ وسنی) دونوں بڑے اطمینان سے مذکورہ پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔اوریقین رکھتے ہیں کہ اس پروگرام پر پابندی سے عمل کرنے والے لوگ جنتی اور نجات یافتہ ہیں اوردونوں میں سے کسی کو بھی امامؑ زمانہ کی نہ کمی معلوم ہوتی ہے نہ ضرورت۔اورشیعہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''امام زمانہ بحکم خدا غائب ہیں۔ہماری ان تک رسائی ناممکن ہے۔ہم مجبور ہیں لہٰذا معذور ہیں اورمعذور بے خطا ہوتا ہے''لہٰذا ہم بے قصور ہیں''یعنی قصوروار یا اللہ ہے یا امامؑ ہے۔

تبرّا اوربریّت۔ ہم مسلمانوں کی اس مستقل بت پرستی سے بریت اورتبرا کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی عبادت خواہ قدیم ہو یا جدید ہو،قرآن میں آئی ہو یا حدیث معصومؑ میں بیان ہوئی ہو،نہ مستقل نیکی ہے نہ مستقل عبادت ہے نہ ذریعہ نجات ہے۔(1) نیکی اورعبادت اورذریعہ نجات ہر زمانہ کے امامؑ کی خوشنودی ہے (2) ان کے تازہ حکم کی اطاعت ہے۔اور ہر وہ دلیل باطل ہے جس سے امام زمانہ علیہ السلام کا وجود وضرورت باطل ہوتی ہو۔یہ کہنا باطل ہے کہ نماز کا حکم تمام انبیاءؑ ورسلؑ نے دیا ہے اورتمام آئمہ معصومینؑ نے حکم دیا ہے اورسب نماز بجالاتے رہے اس لئے نماز بجالانا واجب ولازم ہے۔

قُربَۃُ اِلیَ اللّٰہ۔

شیعوں میں ہر عبادت کیلئے قربۃ الی اللّٰہ کی نیت کی جاتی ہے یعنی عبادتیں اللہ کی قربت دلاتی ہیں۔یہی بات بت پرستوں نے کہی تھی۔

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ....(39/3)

’’خبردار خالص دین اللہ کیلئے ہے۔رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا حکمران وولی بنارکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان حکمرانوں کی عبادت اسلئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کی قربت دلادیں‘‘

اللہ کی قربت۔

قربت کی دوصورتیں ہیں ایک کہ فاصلہ کم ہو۔دوسری یہ کہ منزلت زیادہ ہو۔ چونکہ اللہ کائنات میں ہر جگہ موجود ہے لہٰذا اس سے فاصلے کا کم وبیش ہونا تو مشرکانہ تصورات ہیں۔البتہ ہماری قربت اپنے امامؑ زمانہ سے ممکن ہے اور قاعدہ توحید کی رو سے امامؑ زمانہ کی قربت ہی اللہ کی صحیح قربت کہلاسکتی ہے اور ہمیں دونوں طرح کی قربت حاصل ہوسکتی ہے۔ مگر ہماری نیت میں فاصلہ کی کمی نہیں ہوتی بلکہ تقرب یا خوشنودی امامؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی نیت ہوتی ہے۔تمام شیعہ یہی نیت کرتے ہیں مگر یہ تصور رکھتے ہیں کہ مذکورہ پروگرام پر پابندی سے عمل کرنا امام زمانؑہ کو مجبور کردیگا کہ وہ قربت یا خوشنودی عطا کریں۔ہم تازہ بتازہ خوشنودی چاہتے ہیں۔تازہ بتازہ حکم امامؑ چاہتے ہیں۔قدیم احکامات پر اندھی تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ لاشریک ہے۔ نہ صفات انضمامیہ کو شریک رکھتا ہے نہ صفات انتزاعیہ کا محتاج ہے نہ ادراک کی حد میں آ سکتا ہے کہ انتزاعِ صفات کرا سکے۔ نہ مجسم و مخلوق ہے کہ نظر آ سکے اور انتزاع ہو سکے (نہ مُعَلقّت ہے کہ مَعلَقُوق ہو سکے)۔

ہر ہر صفت انتزاع ہوتی ہے مخلوق اول سے جو مجسم و مخلوق ہے اور معظم ہے اور اس کے بعد صفات تقسیم ہوتی ہیں بعد والی مخلوقات کو۔ گویا ہر صفت کا جو ہر مخلوق اول ہے۔ جس پر ہر صفت عرض کے قیام کا انحصار ہے۔ اللہ تعالیٰ لاشریک ہر صفت (مخلوق) کا خالق ہے اور ہر صفت سے منزہ ہے۔ ہر صفت مخلوق ہے انضمامیہ ہو یا انتزاعیہ ہو (مَستلیقہ ہو یا سَستلیقہ ہو) عرض ہو یا جوہر۔ صفت ذات ہو یا صفت افعال۔

صفت بھی اور موصوف بھی دونوں مخلوق ہیں۔

صفت: محتاج ہے موصوف کی جو بغیر موصوفِ مجسم کے وجود اظہار نہیں پاسکتی۔ کوئی جسم ہو تو اس میں ظاہر ہوتی ہے۔

موصوف: یعنی عرض ہے جو محتاج جوہر ہے۔ محتاج ہے صفت کا بغیر صفت کی شرکت کے موصوف نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا صفت اور موصوف دونوں مخلوق ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے شریک و ہم نشین ہیں۔

اللہ ہر صفت کا اور ہر موصوف کا خالق ہے جو خود نہ صفت ہے نہ موصوف ہے۔

امام رضا علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہیں کہ:۔ اللہ تعالیٰ نہ صفت ہے نہ موصوف ہے۔ ہر صفت و موصوف مخلوق ہیں۔ صفت اور موصوف ایک دوسرے کے ہم نشین و شریک ہیں"

(دیکھئے خطبہ توحید احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 174)

صفاتِ ثبوتیہ: صفاتِ ثبوتیہ کو اللہ کی ذات میں شریک سمجھنا کھلا ہوا شرک ہے اللہ آٹھ صفات کا مجموعہ اور مرکب نہیں ہے۔ نہ یہ صفات اللہ کی ذات میں شریک ہیں نہ اللہ کی ذات کا جز ہیں۔ نہ اللہ کی ذات کے اندر سے نکلیں نہ اللہ کی ذات میں داخل ہوئیں۔ نہ ذات سے مرکب ہیں۔ نہ ذات کا حصہ ہیں۔ دراصل یہ مخلوقؑ اول نور محمدیؐ کی صفات ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ذات ہے اور لاشریک ہے اور اللہ کو تسلیم کرنے اور بیان کرنے کا ذریعہ مخلوقؑ اول کی صفات ہیں۔

صفات ثبوتیہ آٹھ عدد ہیں۔ 1۔قدیم۔ 2۔قادر۔ 3۔عالم۔ 4۔حیّ۔ 5۔مرید۔ 6۔مدرک۔ 7۔متکلم۔8۔صادق، یہ آٹھوں صفات مخلوق میں موجود ہوتی ہیں۔ خالق کو عیب سے منزّہ تسلیم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

صفات ثبوتیہ مخلوق میں ہوں گی تو خالق کے لئے وجہ تسلیم بنیں گی۔

(1) قدیم: ہر مخلوق اپنے بعد آنے والی مخلوق سے قدیم تر ہوتی ہے۔ جیسے باپ بیٹے سے قدیم تر ہوتا ہے۔ قدامت حالت اور کیفیت ہے اور زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ نہ کہ زمانے کے خالق سے۔ خالق کل تو خالقِ قدامت بھی اور خالقِ حال واستقبال بھی ہے۔ اور خالق کیفیات بھی ہے۔

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ O وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ O (36/38-39)

''اور سورج، وہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ کی طرف چلا جارہا ہے۔ یہ تو زبردست ہستی کی قائم کردہ تقدیر ہے۔ اور چاند، اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کردیں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان

منزلوں سے گزرتا ہوا پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند عود کر آتا ہے۔“

(2) قادر: ہر بااختیار فاعل فعل پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر قاتل قتل کرنے پر قادر نہ ہو تو قتل واقع نہیں ہوسکتا۔ ہر اختیاری فعل پر جزا اور سزا مخلوق کیلئے مقرر کی گئی ہے۔

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ ”وسعت رکھنے والے پر اس کی قدرت کے مطابق ہے۔“ (2/236)

(3) عالم: ہر علم رکھنے والے کو عالم کہتے ہیں۔ اور عالم کی جمع علماء ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ....

”اس کے بندوں میں خدا سے عاجزی کرنے والے تو علما ہی ہوتے ہیں۔“ (35/28)

(4) حَیّ: ہر ذی حیات کو حیّ یا زندہ کہتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ....

”ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے“۔ (21/30)

(5) مرید: ہر زندہ مخلوق ارادہ رکھتی ہے اور ارادہ کے بغیر کوئی فعل اختیاری نہیں ہوسکتا ہے۔ **مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا** ....

”تم میں بعض لوگ دنیا کمانے کا ارادہ کرتے تھے“۔ (3/152)

(6) مدرک: ادراک ہوسکنے والی چیز ہی کو حاصل کرنے کی کوشش کی جایا کرتی ہے۔

جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: **وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** O

”اور یہ کہ خاص انسان وہی کچھ پاتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے“۔ (53/39)

(7) متکلم: ہر انسان کلام کرتا ہے یہی انہیں جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ O

''اور وہ گہوارے میں بھی اور بوڑھا ہونے تک بھی برابر کلام کرتا رہے گا اور صالحین میں سے ہوگا''۔(3/46)

(8) صادق : سچی باتیں کرنے والے کو صادق یا سچا کہا جاتا ہے اور صادق کی جمع صادقین ہے اور فرمایا گیا ہے کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ O

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ کے سچ بولنے والوں کے ساتھ رہا کرو''(9/119)

خالق کے لئے صفات ثبوتیہ کی استعمال کا مقصد۔

اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے کیلئے ہم الفاظ کے محتاج ہیں اور الفاظ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر اللہ کی حمد وثنا کرنے کیلئے اس کی تسبیح تمجید اور تکبیر کیلئے ہم مجبور ہیں کچھ صفات بیان کرنے کیلئے اور صفات بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کی ذات نہ الفاظ میں بیان ہوسکتی ہے نہ صفات اس میں شریک ہوسکتے ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ اللہ کو بیان کرنے کیلئے الفاظ اور صفات سے مدد لیں اس لئے ہم بہترین الفاظ اور بہترین صفات سے مدد لیں اس لئے ہم بہترین الفاظ اور بہترین صفات کو عارضی طور پر استعمال کرتے ہیں چنانچہ ہم ان الفاظ اور صفات کو اختیار کر لیتے ہیں جو اللہ نے مخلوق اوّل یا نور محمدیؐ کے لئے خود استعمال کئے ہیں اور ساتھ ہی اللہ سے عیب ونقص کی نفی کرتے ہیں۔ صفات ثبوتیہ ان ہی صفات کو کہا جاتا ہے جو عیب ونقص کی نفی کرتی ہیں اس لئے ہم اللہ کو قدیم کہتے ہیں تاکہ اس کے وجود سے پہلے کسی کی موجودگی کی نفی ہوجائے چنانچہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ:

هُوَ الْأَوَّلُ (57/3) ’’وہی سب سے پہلے سے ہے‘‘
اسی لئے تمام قسم کی مخلوقات کا خالق ہے۔

قادر: اگر اللہ قدرت کا خالق و مالک نہ ہوتا تو مخلوق کو قدرت نہ دے سکتا تھا اس لئے فرمایا کہ: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ’’اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے‘‘ (57/2) اللہ نے فرمایا ہے کہ اسے قادر کہا کرو۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ (6/65) اللہ ظاہر و غائب کا عالم ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (6/73) اسی طرح اللہ کو حیّ نہ مانا جائے تو مردہ ماننا پڑے گا۔ جو مستقل عیب ہے۔ لہٰذا اللہ صرف حیّ یعنی زندہ نہیں ہے بلکہ وہ تو حیات اور موت دونوں کا خالق ہے۔ وہی علم کا خالق ہے قدرت اور زمانہ کا خالق ہے۔ ادراک اور سوجھ بوجھ کا خالق ہے۔

خالق ہے اِس لئے اُس سے ہر مخلوق کی نفی کی جانا چاہیئے۔ علما نے سہولت کے لئے کچھ صفات کی مستقلاً نفی کی ہے ان صفات کو ’’صفات سلبیہ‘‘ کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے شرکت۔ مرکب۔ مکان۔ زمان۔ حلول۔ تغیر۔ قابل دید۔ احتیاج وغیرہ لیکن ہم ہر ہر صفت کو مخلوق کہتے ہیں اور موصوف کو بھی مخلوق مانتے ہیں لہٰذا اللہ میں نہ الفاظ شریک ہیں نہ صفات کی شرکت ہے وہ ایک ذات ہے خالق کائنات ہے۔ خالق صفات وموصوفات ہے۔ اس لئے جب اللہ کا ذکر علم وقدرت وسماعت اور بصارت وغیرہ کے ساتھ ہوگا تو اس کے وجود کو ماننے اور بیان کرنے کیلئے ہوگا اور ان صفات سے مراد اللہ کی ذات ہوگی جو متغیر نہیں ہوتی جب کہ تمام صفات متغیر ہوتی ہیں۔ اور وہ صفات کا خالق ہے۔

حلول۔ جو چیز حلول کرسکتی ہے وہ محدود ہوتی ہے اسی لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ میں

داخل ہوسکتی ہے اور ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے کی شریک ہوجاتی ہے۔ لیکن اللہ لاشریک ہے۔ لامحدود ہے۔ مجسم نہیں اور لامکان ہے۔

تغیر یا تبدیلی: تغیر کسی اور چیز کے اثر سے ہوتا ہے اور تغیر ہی فنا کا سبب بنتا ہے۔ تغیر پیدا ہوتا ہے اور غیر کے اثر کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات میں تغیر اور تحویر نہیں ہوسکتی۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً O

''چنانچہ تم اللہ کے قانون میں کوئی ادل بدل اور حوالگی نہ پاؤ گے۔''(35/43)

مرئی قابل دید: مجسم ومحدود چیزیں نظر آتی ہیں۔ اللہ نہ محدود ہے نہ مجسم ہے نہ کوئی صورت رکھتا ہے لہٰذا فرمایا کہ: قَالَ لَن تَرٰنِیْ (7/143) لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (6/103)

''تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ اللہ کو آنکھیں نہیں پاسکتیں ہیں''

احتیاج وضرورتمندی: ضرورت کو محتاجگی کہتے ہیں اور ضرورت مند محتاج ہوتا ہے۔ اور محتاج کو قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ احتیاج قدرت کی ضد ہے اور تخلیق کو مانع ہے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْن (3/97)

یقیناً اللہ پوری کائنات کے مقابلے میں غنی اور لاپرواہ ہے

صفت برذات: ذات کے ساتھ ساتھ کوئی صفت یا صفات رکھنا شرکت اور ترکیب ہے۔ ہر مخلوق کی بھی ایک ذات ہوتی ہے مگر کسی مخلوق کی ذات ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں کچھ نہ کچھ صفات اور خاصیتیں نہ ہوں۔ ایسی ذات جس میں خواص اور صفات نہ ہوں اللہ ہی کی ذات ہے۔

اللہ کی ذات: امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ علم اللہ کی ذات

ہے۔وہ جانا ہوانہیں ہے سمع اس کی ذات ہے وہ سنا ہوانہیں ہے بصر اس کی ذات ہے وہ دیکھا ہوانہیں ہے۔ قدرت اس کی ذات ہے وہ قدرت دیا ہوانہیں ہے۔جب اللہ نے چیزوں کو پیدا کیا تو وہ معلوم بن گئیں“۔

بیان کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے علم وسمع وبصر اور قدرت وغیرہ کا تذکرہ ہوگا۔تو وہ تذکرہ نفی اور انکار سے بچنے اور تسلیم کرنے کے لئے ہوگا اور اس سے مراد اللہ کی ذات ہوگی جو متغیر نہیں ہے اور صفات تمام تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ جیسے کہ علم ہے۔علم مخلوق ہے اور اللہ علم کا خالق ہے۔اسی طرح اللہ ہر صفت کا خالق ہے۔سمع ہو یا بصر ہو۔سب اللہ کی مخلوق ہیں۔جس طرح اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے اسی طرح اللہ صفات کا بھی خالق ہے۔ نہ اشیاء کے پیدا کرنے سے اللہ کی ذات میں تغیر واقع ہوا نہ صفات کے پیدا کرنے سے اس میں تبدیلی ہوئی۔جن صفات کی ضد سے انکار مطلوب ہو جیسے علم کی ضد یعنی جہالت سے انکار مطلوب ہے۔ایسی صفات خاص نشاندہی یا معرفت کا سبب یا پہچان کہلاتی ہیں۔اس لئے ان صفات کو سمجھنے سمجھانے کی غرض سے صفاتِ ذات کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کسی کو عالم کہنا جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی ذات سے جہالت کی نفی کی جائے۔ جب کہ صفاتِ افعال پہچان کا سبب نہیں بنتیں۔کیوں کہ ان کی ضد سے نفی نہیں ہوتی۔جیسے رضا اور غضب کہ حسب منشا کام کرنے پر رضا یا راضی ہونا اور خلاف منشا کام کرنے پر غضبناک ہونا۔یہ دونوں صفات ایک ہی ذات میں ثابت ہوسکتی ہیں۔اس لئے وہ کسی کی ذات کی پہچان نہیں بنتیں۔ایسی صفات کو صفاتِ افعال کہا جاتا ہے۔

لہٰذا صفاتِ ذات کا جہاں تک تعلق ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ صفات ہی ذات ہیں۔ذات الگ چیز ہے صفت سے۔ ہاں اللہ کیلئے کسی شے کا بھی تذکرہ ہو تو اللہ صفات

سے منزّہ ایک ذات قرار پائے گا۔ صفات اس ذیل میں صرف وجود خداوندی کو تسلیم کرنے کا ذریعہ کہلائیں گی۔ شرک سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ اللہ کو ایک ذات تسلیم کیا جائے اور اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز کو اس کی مخلوق مانا جائے اور ساتھ ہی ہر بہتر صفت کو اور ہر صفتِ احسن کے کمال و جمال اور انتہا کو مخلوقؑ اوّل یا نورِ محمدؐی کی صفات سمجھا جائے گا۔ اور وہی صفات اللہ کی ذات مطلق کو سمجھنے اور اللہ کی تسبیح وحمد وثنا اور عبادت کرنے میں کام آئیں گی۔ لہٰذا اللہ کی توحید وتہلیل سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات کو ہر صفت سے منزّہ اور لاشریک مانا جائے۔

علم غیب کا بیان: دیگر صفات کا تذکرہ بحث کا موضوع بنایا جائے یا نہ بنایا جائے مگر علم غیب کو اکثر موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ چونکہ علم صفاتِ ذات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے علم غیب علم ہی کی قسم ہونے کی بنا پر قابل تذکرہ ہے۔ یہ نوٹ کرلیں کہ ''علم غیب'' علم کل نہیں ہوتا۔

علم کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ ظاہر و۔ 2۔ باطن یا۔ 1۔ شہود۔ 2۔ غیوب۔ لہٰذا جب علوم شہود کلّی وعلوم غیوب کلّی اکٹھے اور مجتمع ہوں تو علم کل یا العلم کہلائے گا۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر کے صرف علم غیب کو بحث کا موضوع بنالیا جاتا ہے۔

جب ہم علم کا لفظ اللہ کی ذات کے لئے استعمال کریں گے تو اس سے مراد صرف اللہ کی ذات ہوگی۔ صفت مراد نہ ہوگی کیونکہ صفت مخلوق ہوتی ہے۔ اور حادث ہوتی ہے۔ اگر بیان ہو۔ اگر بیان نہ ہو تو صفت نہیں کہلاتی۔ ہم صفات ذات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان کرچکے ہیں جس کا آخری فقرہ ذہن میں رکھیں کہ: **و العلم ذاته و لا**

معلوم والسمع ذاته ولا مسموع والبصر ذاته ولا مبصر والقدرة ذاته ولا مقدور فلما احدث الاشیاء وکان المعلوم.

''جب اس نے چیزوں کو پیدا کیا تو معلوم بنیں'' لہٰذا ''علم'' معلوم کا نام ہے۔ اور نا معلوم سے مراد جہل ہے۔ پس جو چیزوں کے پیدا ہونے سے معلوم یا علم پیدا ہوتا ہے وہ علم مخلوق ہے۔ یا یہ کہ اللہ کی ذات کے علاوہ جو بھی علم یا شے ہے وہ مخلوق ہے۔ اور اس کا کمال و جمال وانتہا مخلوق اوّل (نور اوّلؑ) ہے جو محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں ۔ علم غیب جس کا تذکرہ ہوتا ہے یا جو مبحث قرار پاتا ہے وہ مخلوقات کا علم ہے ۔ یعنی وہ علم مخلوق ہے نہ کہ ذات خداوندی۔

جو علم مخلوق ہے اس کی بنیاد مخلوق اوّلؑ ہے۔

علم: علم کے معنی ظاہر و کشف کے ہیں ۔ اور علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو بعض مخلوق سے غیب میں ہے۔ نہ کہ کل مخلوقات سے غائب اس لئے کہ کسی نہ کسی پر تو کشف و ظاہر ہونا ضروری ہے تا کہ علم کہلا سکے ۔ اگر وہ خدا کے علاوہ کسی پر بھی ظاہر و کشف نہ ہو تو وہ خدا کی ذات ہوگا۔ نہ کہ علم غیب۔ جو کچھ کہ صفت اور مخلوق ہے ۔ کشف ہونا اور علم بننا ہی اس کا حادث ہونا ہے۔ پھر مخلوقات کا علم ہونا حادث ہے۔ جو مخلوقات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا مخلوق اوّل ۔ نور اوّل سے کوئی علم مخلوق غائب نہیں ہوسکتا ۔ اگر غائب ہو جائے تو وہ علم اللہ کا شریک بن جائے گا۔ جو اللہ کی ذات کے علاوہ ہوگا۔

قبل اس کے کہ ہم قرآن مجید کی آیات علم غیب کے متعلق پیش کریں اور فرمانات معصومینؑ دکھائیں۔ ہمیں علم کے ماخذ کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

علم: ازروئے قرآن علم علم الاسماء سے تعلق رکھتا ہے۔فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (2/31) ''اور آدمؑ کو کُل نام تعلیم کئے''

اسماء سے مراد پنجتنؑ پاک کے اسماء گرامی ہیں۔ یہ وہی اسماء ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات کی صورت میں تعلیم کئے گئے تھے۔

اسماء: اسماء جمع ہے اسم کی۔اسم یا نام کسی کی طرف اشارۂ معرفت کرتے ہیں۔جس سے پہچان ہوتی ہے ۔کہ فلاں مسمیٰ مراد ہے ۔اسی اشارۂ معرفت کا نام علم ہے۔ جو معلوم بنتا ہے۔یا معلوم ہونے والی شے کا نام علم ہے۔

گویا علم (نوراوّل) مخلوق اوّل کے اسماء یا معرفت سے پیدا ہوا ہے۔اسماء کا ماخذ مسمّیٰ (محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم یا 14 معصومؑ) کا نوراوّل ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے بعثت رسوؐل کی غرض میں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (62/2) اوران کو قرآن اورشریعت کی تعلیم دیتا ہے''۔

علم کا ماخذ کتاب ہے اور حکمت سے مرادعلم کے مطابق عمل ہے کتاب حرف آخر نہیں بلکہ کتاب کا ماخذ ام الکتاب ہے جس سے کتاب وجود میں آئی اور کتاب اللہ کی غیر ہے یعنی مخلوق ہے۔جیسا کہ فرمایا ہے''اوراس کے پاس کتاب وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ (13/39) کی اصل (بنیاد ماخذ) ہے'' گویا اسماء بمنزلہ کتاب ہیں اور مسمّٰی (نوراوّل) بمنزلہ ام الکتٰب ہے۔ جو اللہ کے پاس ہے یعنی اللہ کا غیر یا اللہ کی مخلوق ہے۔پس جن کی معرفت کا نام علم ہے وہ کسی شے سے لاعلم نہیں ہوسکتے۔

علم کے معنی کشف کے ہیں اور بنیاد اس کی نوراوّل ہے پس نوراوّل سے کسی قسم

کے علم کا انکار اس کے علم ہونے کا انکار ہوگا۔ کیوں کہ نورِ اوّل سے کشف وعلم پیدا ہوا ہے اس میں جہالت کا تصور ہی حرام ہوگا۔

اب علم غیب کے متعلق قرآن مجید کی آیات ملاحظہ ہوں۔

غیب کل: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ O (27/75)

''اور آسمانوں اور زمینوں میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو''

گویا غیب کا ہر علم کتاب میں موجود ہے پھر کتاب کا عالم ہی پورے غیب کا عالم نہ ہو؟

اور فرمایا کہ: وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْکِتٰبِ (13/43)

''اور وہ جس کے پاس اس کتاب کا پورا علم ہے''

کتاب مبین: جس میں مکمل غیب کا علم ہے وہ نہ خدا ہے نہ خدا کی شریک ہے اگر خدا کو اسی معنی میں عالم الغیب کہیں جس معنی میں مخلوق عالم الغیب ہے یا خدا کے پاس مکمل علم غیب اسی معنی میں تصور کریں جس معنی میں کتاب مبین میں مکمل غیب ہے تو علمِ غیب خدا کی ذات کا شریک قرار دے کر شرک کے مرتکب ہوں گے۔ نیز کتاب مبین علم الغیب رکھنے کی بدولت اللہ کی شریک کہلائے گی اور یہ کھلا شرک ہوگا۔

لہٰذا اللہ کو عالم الغیب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ضد یعنی جہالت کا اللہ کی ذات سے انکار کیا جائے۔ ورنہ اللہ تو خالق الغیب والشہادہ اور ہر غائب وظاہر شے اور ہر ظاہر وباطن شے کا خالق ہے۔ اس لئے علم حادث یا مخلوقات کا علم، کل کا کل، ظاہر وباطن، شہود وغیوب نور اوّل (مخلوق اوّل۔ حاملان نور اوّل 14 معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم) کے پاس ہے اور وہ عالم الکتاب وام الکتاب ہے۔ جس سے کتاب یا اسماء پیدا ہوئے جو علم

غیب وشہود کا ماخذ ہے۔

اگر کتاب سے مراد قرآن ہے تو وہ قرأت سے مشتق ہے۔ اور اس کے لئے قاری اور قرأت کی ضرورت ہے۔ جن کے بغیر قرآن نہیں بنتا یا قرآن نہیں کہلا سکتا۔ پس اس کا قاری نورِ اوّل ہوگا۔ اگر کتاب کی حقیقت پر غور کیا جائے تو کتاب کتابت کی ہوئی اور لکھی ہوئی شے کا نام ہے اور اس کے لئے کاتب کی ضرورت ہے جو کتاب سے پہلے ہونا چاہئے۔ پس وہ اُم الکتٰب وکاتب نورِ اوّل ہے۔

اگر کتاب سے مراد لوحِ محفوظ لی جائے تو اس کو وجود ہی نورِ اوّل سے ملا ہے یا نورِ اوّل ہی کا نام لوحِ محفوظ ہے جس کے پاس کل کا کل علمِ غیب ہے۔ نورِ اوّل ہی کو مختلف ناموں سے بیان کیا گیا ہے۔ جہاں بھی نورِ اوّل کا تذکرہ ہے یا مخلوقِ اوّل کی بات کی گئی ہے وہاں مخلوقِ اوّل (نورِ اوّل) مراد ہے جیسے کہیں عقل۔ کہیں قلم۔ کہیں لوح کہیں نورِ محمدیؐ کہا گیا ہے۔ مراد اوّل خلق سے مخلوقِ اوّل (نورِ اوّل) ہے جس کے فانوس محمدؐ وآلِ محمدؑ یعنی ۱۴ معصومؑ ہیں جو تمام عالمین کے ہادی اور تمام عالمین کو نور پہنچانے والے (مربّی ہیں اور یہی مقصود ہے دین کامل کے ہادی ہونے کا)۔

علمِ غیب تو نامکمل علم ہے جو علمِ شہود سے خالی ہے۔ علمِ غیب سے زیادہ اہمیت کا حامل تو علمِ کل ہے جس کا جز علمِ غیب ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

علمِ کُل وَمَا يَعۡزُبُ عَن رَّبِّکَ مِن مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِی الۡأَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَاء وَلَا أَصۡغَرَ مِن ذٰلِکَ وَلَا أَكۡبَرَ إِلَّا فِی كِتٰبٍ مُّبِينٍ (10/61)

”اور تمہارے رب سے زمین وآسمان کی ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ کتاب مبین میں سب کچھ موجود ہے“۔

کتاب مبین میں ہر ہر ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی ہر شے کا علم ہے یعنی کل کا کل علم موجود ہے۔غیوب وشہود سب اس میں داخل ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات سے مختص نہیں کیا ہے۔کہ علم اس کی ذات کا شریک بن سکے۔لفظ اِلَّا سے استثناء موجود ہے۔یعنی غیرِ خدا کتاب مبین میں بھی کل کا کل علم موجود ہے۔

اسی بات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کُل علم کا تذکرہ اس لئے ہے کہ اسے جہالت سے منزّہ قرار دیا جائے۔ورنہ وہ تو ایک ذات ہے جو کُل کی کُل اشیاء اوران کے کُل علم کا خالق ہے کُل کا کُل علم کتاب مبین میں ہے۔جو غیر خدا ہے۔اگر کتاب مبین سے مراد نوراوّل ہے تو اس کے حامل (محمدؐ وآل محمدؐ 14 معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم) کو کلّی علم حاصل ہے۔ اگر کتاب مبین آل محمدؐ کے علاوہ کوئی اور شے ہے۔جیسے قرآن تو عالم القرآن 14 معصومین ہیں۔انہیں علم کلّی حاصل ہے۔اگر قرآن کے بجائے کتاب مبین لوح محفوظ ہے تو 14 معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے ہیں اس لئے انہیں علم کلّی حاصل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوح محفوظ سے مراد قلوب محمدؐ وآل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں اور اگر وہ کوئی تختی ہے تو اس پر علم کا انکشاف بھی نورؐ اوّل ہی کے ذریعہ سے ہوگا اور وہ نورؐ اوّل ہی کی شعاعوں سے منور ہوگی۔نورؐ اوّل ہی اللہ ولوح وقلم یا عرش وکرسی یا مخلوقات کلّی کے درمیان وسط ووسیلہ ہے۔جو مشیت اللہ کا ظرف ہے۔وجہ اللہ ہے۔کہ جن سے اللہ کی معرفت ہوتی ہے۔14 معصوم کے نور اوّل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا جلوہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً حَكِيْماً O (76/30)

’’جب تک خدا کی مرضی نہ ہو تم ایسا چاہو گے ہی نہیں بیشک اللہ علم والا حکمت والا ہے‘‘

محمدؐ وآل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم (نور اوّل) اس وقت تک کچھ نہیں چاہتے جب تک اللہ نہ چاہے

گویا اللہ کی منشا ہی ان کی منشا بنتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی منشا نور اوّل میں جلوہ گر ہوتی ہے اور نور اوّل ہی (اللہ کی قدرت کا جلوہ و کشف) اور اللہ کی حکمت (بنیاد تخلیق) ہے۔

جب علم سے مراد اللہ کی ذات ہو تو وہ **لا احصاء** (لامحدود) ہے کل مخلوقات کے لئے لیکن جب علم سے مراد علم مخلوقات ہو یا علم اشیاء اور مخلوق علم ہو تو اس کی بنیاد مخلوق اوّل نور اوّل (محمدؐ و آل محمد علیہم السلام) ہیں جو کلّی علم رکھتے ہیں یا وہی اللہ کا علم (اللہ کی مخلوق اوّل) ہیں اور اللہ کے علم (مخلوق اوّل نور اوّل) سے باہر کوئی غیب یا شہود نہیں۔ اسی مفہوم کو امام مبین میں ہر شے کے **احصاء** سے بیان کیا گیا ہے۔

امام مبین عالم کُل ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ O (36/12)

''اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے''

حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ''واللہ امام مبین میں ہوں'' (تفسیر قمی)۔

امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے فرمایا کہ ''دیکھو وہ شخص جس میں اللہ نے ہر چیز کا علم احصاء فرما دیا ہے یہ ہے''۔

ہر چیز کے علم سے مراد کلّی علم ہے۔ غیوب کا علم ہو یا شہود کا ہر چیز کہنے میں غیوب کلّی بھی داخل و شامل ہے اور شہود کلّی بھی داخل ہے اور مراد علم کلّی ہے جس میں نقص یا کمی نہیں ہے۔

14 معصوؑمین میں ہر فرد کُلُّنا محمدؐ کی رو سے محمدؐ اور علم و شجاعت میں مساوی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

نحن فی العلم والشجاعة سواء۔ (کافی)

''ہم علم و شجاعت میں برابر ہیں''۔ امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام (کافی)

علم کی کان: حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

انا اھل البیت شجرة النبوة وموضع الرسالة ومختلف الملا ئکة وبیت الرحمة ومعدن العلم (کافی)

''ہم اہلبیتؑ نبوۃ کا شجرہ ہیں ۔ مقام رسالۃ ہیں اور ملائکہ کے آنے جانے کی جگہ ہیں اور رحمت کا گھر ہیں اور علم کی کان ہیں'' (کافی)

یعنی اہل بیتؑ 14 معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم وہ نور اوّل ہیں جن سے نبوت اور خبر ورسالت کا اجراء ہوا اور ملائکہ کو انؑ ہی صاحبانؑ امر سے احکام جاری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ قدر میں ہے کہ اُنؑ پر تمام ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں کُل امر لے کر۔ وہیؑ رحمت کا گھر اور علم کی کان ہیں۔ گویا علم انؑ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور انؑ ہی کی معرفت اور اسماء کا نام علم ہے۔ لہٰذا علم کی کان کا جس سے کہ علم پیدا ہوتا ہے انکار کوئی ابوجہل ہی کرسکتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد معصومؑ ہے کہ:

نَحۡنُ وُلَاۃُ اَمۡرِ اللّٰہِ وَخَزَنَۃُ عِلۡمِ اللّٰہِ وَعَیۡبَۃُ وَحۡیِ اللّٰہِ. (اصول کافی)

'' ہم والیان امرالٰہی ہیں ہم علوم الٰہی کا خزانہ ہیں اور مرکز اسرار ووحی خداوندی ہیں''

کیا کوئی اللہ کے خزانے میں علم کی کمی کا قائل ہے؟ تو وہ یقیناً آیات اللہ کا منکر ہے۔

آئمہ طاہرین (14 معصومین) اللہ کا نور ہیں جس میں نقص محال ہے جیسا کہ:

والنور الذی انزلنا کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ۔

النور واللّٰہ نور الائمة من آل محمدؐ علیھم السلام الی یوم القیمة۔

''نور سے قسم بخدا آئمہ آل محمدؐ کا نور مراد ہے جو قیامت تک ہونے والے ہیں (کافی)

امام رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''امامؑ ہر چیز کا عالم ہوتا ہے وہ کسی چیز سے جاہل نہیں ہوتا''

عالم الکتاب: امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

واللّٰہ انی لاعلم کتاب اللّٰہ من اولہ الی آخرہ کان فی کفی فیہ خبر السماء وخبر الارض وخبر ما کان وخبر ماھو کائن قال اللّٰہ عزوجل فیہ تبیان کل شیءٍ.

میں کتاب اللہ کا اوّل سے آخر تک جاننے والا ہوں گویا وہ میری مٹھی میں ہے اس میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی خبریں ہیں اور گزشتہ وآئندہ کی خبریں ہیں خدا نے خود فرمایا ہے کہ اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے''

اس حدیث سے اہل بیتؑ کا علم کلّی و مکمل علم رکھنا ثابت ہو گیا۔

قرآن میں علم غیب کا خصوصی بیان:

إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ O (31/34)

''یقیناً قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ حمل میں کیا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا باخبر ہے''

(1) قیامت کا علم (2) بارش کا برسانا (3) رحم میں پوشیدہ شے (4) کل کا کرنا (5) موت کی جگہ۔ یہ تمام علوم الاشیاء ہیں۔ نہ کہ خدا کی ذات۔ اور یہ علوم اللہ کی ذات کا غیر ہیں۔ جو اللہ کی ذات میں شریک اور داخل نہیں ہیں۔ ان کی نفی سے مراد ان مخلوقات سے نفی مراد ہے جو مشیت اللہ (نور اول) نہیں ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی

مقرب فرشتہ مطلع ہے نہ کوئی رسولؐ و نبیؑ۔ لیکن جن پر اللہ مطلع ہے وہ چیزیں اللہ کی ذات کی غیر ہیں اور ہر غیر اللہ، اللہ کی مخلوق ہے۔ جس کی بنیاد اس کی مخلوق اوّل (نور اوّل) ہے۔ لہٰذا مخلوق اوّل سے ان کی نفی نہیں ہوسکتی مخلوق اوّل کو اسی لئے نفس اللہ و مشیت اللہ و نفس مشیت وصفات اللہ و **خزنة العلم** کہا گیا ہے کہ ہر غیر اللہ یعنی اشیاء کا علم یا مخلوق کا علم اللہ کے خزانہ وکان (نور اوّل) میں ہے۔ ان کا علم اللہ کا علم ہے۔ بطور نفس مشیت جس کی یہاں نفی نہیں ہے۔

محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم نے ان پانچوں چیزوں کے متعلق مختلف اوقات میں خبریں دی ہیں۔ واقعات کربلا کا علم تو ایسا ہے کہ ماسبق انبیاءؑ و مرسلینؑ کو بھی دیا گیا اور اللہ کے رسولؐ نے بھی بیان فرمایا کہ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کربلا میں شہید ہوں گے۔ یہ کہنا کہ وہ وحی کے ذریعہ مطلع کئے گئے اپنی جگہ مسلم ہے۔ تاہم موت کی زمین کا علم اللہ نے دیا اور ان کو یہ علم قبل از وقت ملا یہ تو ثابت ہے کہ جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ پہلے سے علم تھا یا نہیں؟ اس کی دلیل ایک نہیں بہت سے دلائل دیئے جا چکے ہیں کہ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر علم کی بنیاد علم الاشیاء و مخلوق ہونے کی بنا پر مخلوق اوّل کو ہوگا اور حاصل ہے۔ صاحب تفسیر صافی بیان کرتے ہیں کہ اجمالی خبریں ان امور کی بھی حضرات آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم نے اکثر دی ہیں۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ وہ نتیجہ ہیں علام الغیوب سے علم حاصل کرنے کا۔ یہاں بھی علام الغیوب سے مراد ذات رسوؐل ہے اور اللہ تو خالق الغیوب ہے۔ ہم پہلے قرآن سے اور پھر واقعات سے اس پر روشنی ڈالیں گے کہ رسوؐل سے علم غیب کی نفی نہیں ہے۔ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ...** (3/179)

''اور خدا کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم کو غیب کی باتوں سے آگاہ کردے۔لیکن خداتعالیٰ اپنے رسولوںؑ میں سے جس کو چاہتا ہے علم غیب کے لئے منتخب کرلیتا ہے''

اس آیت سے ثابت ہے کہ بہت سی مخلوقات کو اللہ نے علم غیب پر مطلع نہیں کیا ہے۔لیکن اللہ کے منتخب کردہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جن کو علم غیب ہی کے لئے چنا گیا ہے جو علم غیب رکھتے ہیں۔ یا عالم الغیب ہیں۔اس الغیب میں ہر غیب داخل ہے جو اشیاء و مخلوقات کا علم ہے۔نہ کہ خدا کی ذات جو لا احصا ہے۔

پس اللہ کے کسی منتخب کا عالم الغیب ہونا یا ایسے اشخاص کے پاس علم الغیب ہونا شرک نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کی ذات میں علم الغیب کو شریک کرنا یقیناً شرک ہے اس لئے کہ اللہ صرف ایک ذات ہے وہ چونکہ خالق الغیب وشہود ہے اس لئے علم الغیب کو اللہ سے متعلق کردیا جاتا ہے تاکہ اللہ سے جہالت وابستہ نہ ہونے پائے ورنہ اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی۔علم اور علم الغیب اللہ کی مخلوق ہے۔اسے عالم الغیب بطور خالق الغیب کہا جاتا ہے۔چونکہ خالقِ سماعت وبصارت ہونے کی وجہ سے اللہ کو سمیع اور بصیر کہہ دیا جاتا ہے۔مگر وہ ایک ذات ہے نہ اس کے کان اور آنکھیں ہیں نہ کسی اور قسم کے آلات سماعت وبصارت ہیں لہٰذا اسی طرح اللہ کو عالم الغیب بھی کہا جاتا ہے چونکہ وہ خالق الغیب ہے۔

اب ہمیں چاہئے کہ ان واقعات کی چھان بین کرلیں جن میں آئمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم نے مذکورہ بالا پانچ عدد غیبی اطلاعات فراہم کی ہیں۔ چنانچہ مشہور ترین واقعہ ہے کہ جب شب عاشور امام حسین صلوٰۃ اللہ علیہ کے اجازت دینے اور چراغ بجھانے اور انتظار کرنے کے بعد بھی آپکے ساتھی نہ گئے اور ثابت قدم رہے تو امامؑ نے ہر شہیدؑ کو اس کی شہادت کی جگہ اور جنت میں اس کا مقام دکھا دیا تھا۔

امام محمد باقر صلوٰۃ اللہ علیہ کے سامنے ان کا بھائی زید گزرا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ضرور کوفہ میں خروج کریں گے اور قتل ہوں گے۔ یعنی زید کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تھی۔ اسی طرح آئمہ طاہرینؑ اکثر لوگوں کو موت کی اطلاع دیتے رہے۔

امام جعفر صادق صلوٰۃ اللہ علیہ نے جعفر بن صالح کو بتایا کہ تیری بیوی کے یہاں دو جڑواں لڑکے پیدا ہوں گے۔ اسی طرح آپؑ نے زمین کی مٹی سونگھ کر اپنی قبر کی جگہ بتادی تھی۔ ایک مرتبہ قحط پڑا تو آپؑ نے دعا کی بادل نمودار ہوا تو لوگ خوش ہوگئے آپؑ نے فرمایا کہ یہ ابر فلاں جگہ برسے گا۔ اسی طرح کئی مرتبہ ہوا آخر آپؑ نے ایک بادل کے لئے فرمایا کہ یہ یہاں برسے گا اور ایسا ہی ہوا"۔ (جنات الخلود صفحہ 31 عیون اخبار الرضا صفحہ 214)

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے خادم ابوالادیان کو بتایا کہ جب تم مدائن کے سفر سے پندرہ روز بعد پلٹو گے تو میرے گھر سے شیون اور بکا کی آوازیں آئیں گی۔ (جلاء العیون صفحہ 299)

قیامت کا علم ہونا اور بات ہے اور بتانا الگ بات ہے آئمہ طاہرینؑ نے آثار قیامت بتائے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے تعین کا علم بتانے کی اجازت نہیں دی اس لئے تعین نہیں فرمایا ہے اس کا مطلب علم کا نہ ہونا نہیں ہے۔

بہرحال اس میں شک وشبہ ہی ایمان کے منافی ہے کہ اللہ کی ایک ذات ہے جس میں کچھ شریک نہیں ہے۔ یعنی علم جو مخلوق ہے۔ وہ بھی شریک نہیں ہے۔ لہٰذا علم الاشیاء اوران کے غیوب کا علم اللہ کے ہر خازنِ علم کو ہوتا ہے۔

ایک اور آیت میں علم غیب کی توضیح:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ O

''اورغیب کے خزانے اور کنجیاں اللہ کے پاس ہیں اس کے سوااورکوئی ان کونہیں جانتا۔وہ خشکی اورتری کی سب چیزوں کو جانتا ہے اور ایک پتہ ایسا نہیں گرتا جسے وہ نہ جانتا ہو اور کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور کوئی تر چیز اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو'' (6/59)

وضاحت:۔ مفاتح الغیب جو اللہ کے پاس ہیں۔ اللہ کی ذات کا غیر ہیں۔ اور نورؑ اوّل کے فانوس محمدؐ و آل محمد علیہم السلام مراد ہیں۔ جن کی حقیقت وعظمت کو اللہ ہی جانتا ہے اور جس کی وہ مشیت اور نفس مشیت ہیں جس علم کی سوائے اس کی ذات کے سب سے نفی ہوگی اس سے مراد اس کی ذات ہے نہ کہ غیر یعنی مخلوق ۔ جہاں مخلوقات کے غیب کا علم ہے کتاب مبین میں اس کا احصاء ہے جس سے مراد نورؑ اوّل ہے۔ اور اگر کتاب مبین سے مراد قرآن یا لوح محفوظ ہے تو نور اوّل عالم الکتب بھی ہے اور نورؑ اوّل کا پرتو ہیں قرآن ہو یا لوح محفوظ، قرآن نورؑ اوّل کی قرأت سے مشتق ہے اور کتاب نورؑ اوّل کی کتابت سے اس لئے نہ قرأت کے بغیر قرآن کہلا سکتا ہے اور نہ کتابت کے بغیر کتاب کا تصور کیا جاسکتا ہے اور لوح تو ایک آئینہ ہے جس میں اللہ کی قدرت (نور اوّل) کی شعاعوں سے علوم کا کشف وانکشاف ہوتا ہے اور یہ بھی عجیب نہیں کہ نور اوّل ہی کو مختلف اسماء سے یاد کیا گیا ہے۔ مخلوق اوّل بتاتے ہوئے کبھی اُسے لوح کہا گیا ۔ کبھی قلم کبھی اسی کو عقل فرمایا گیا اور کبھی اسی کو علم وقدرت قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ورقہ سے مراد وہ بچہ ہے جو ولادت کے وقت معین سے پہلے ساقط ہو جائے اور رطب سے مراد نطفہ جو رحم مادر میں

ہواور یابس سے مراد جس کی خلقت پوری ہوگئی ہواور کتاب مبین سے مراد امام مبین علیؑ و آئمہؑ طاہرین علیہم السلام ہیں۔

احتجاج طبرسی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کے پاس علمِ کتاب ہے وہ علیؑ ہیں اور کتاب مبین جس میں ہر خشک وتر کا بیان ہے علم حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے۔ یعنی اللہ کی ذات لا احصا کے علاوہ ہر غیب جو علم الاشیاء یعنی مخلوقات کا علم ہے اس کو محمدؐ و آل محمد علیہم السلام جانتے ہیں اور ان میں ہر شے کا علم احصاء کر دیا گیا ہے۔ وہی امام مبین ہیں وہی کتاب مبین ہیں وہی عالم الکتاب ہیں گویا عالم الغیب وہی ہیں۔ درحقیقت علم رکھنا اور جاننا ایک فعل ہے جس پر مفصل روشنی شرکت افعالی میں آئے گی۔ دراصل محمدؐ و آل محمدؐ کا علم اللہ کا علم ہے۔

باب نمبر 3: افعال میں شرکت

فعل: فعل کو اور قوت فعلی کو اللہ نے پیدا کیا ہے لہٰذا فعل اللہ کی مخلوق ہے۔ لہٰذا مخلوقات کے افعال سے خالق کی شرکت شرکِ فعلی ہوگا۔ اس لئے کہ خالق مخلوق جیسا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اللہ کو کسی کے ساتھ شریک نہیں کیا جاسکتا۔ لیس کمثلہ شیء وہ کسی چیز یا مخلوق کے مثل و مانند نہیں ہے۔ خالق کی ذات کو بیان کرنے، تسلیم کرنے اور تسبیح و تقدیس کرنے یا عبادت کرنے کیلئے اس کا بیان واجب ہے تا کہ اللہ کے وجود کا انکار نہ ہوسکے۔ جہاں تک اللہ کی ذات کا اقرار لازم ہے وہاں تک اللہ کا بیان واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت (مخلوق اوّل۔ نور اوّل) کی کارگزاری کو خالق کا فعل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر حادث فعل یا مخلوق کے افعال سے بلند تر ہے۔ پس جہاں جہاں جسم، صورت یا افعال حادث کا تذکرہ ہوگا وہاں

مراد نور اوّل (مخلوق اوّل) ہوگا خالق ہر صفت و فعل سے بالا و منزّہ تصور ہوگا یا تسلیم کیا جائے گا۔ تب ہی توحید خالص میسر آئے گی مثلاً:

1۔ یداللہ کا فعل۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ.. (48/10)

''یقیناً جو لوگ (اے رسولؐ) تیری بیعت کرتے ہیں، ماسوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''

اس آیت میں رسولؐ کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ رسولؐ کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا مظہر ہے اس لئے اللہ کا ہاتھ کہلاتا ہے اور چونکہ فعل حادث یعنی بیعت لینا رسولؐ سے سرزد ہو رہا ہے اس لئے مخلوق (مخلوق اوّل) کا ہاتھ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال کا امین ہے اور اس حیثیت سے بیعت لے رہا ہے۔

مثال: ایک شخص اپنے خادم کو سودا خریدنے بھیج رہا ہے۔ وہ سودا بظاہر خادم خریدے گا لیکن حقیقی خریدار بھیجنے والا ہے۔ خادم تو اس کا قائم مقام، نائب یا اس کی منشا پر کام کرنے والا یا اس کا مظہر یا اس اصلی خریدار کے فعل خریداری کا امین ہے۔

افعال خدا، افعال امناء اللہ ہیں۔

وقوله وهو الذى فى السماء اله وفى الارض اله وقوله وهو معكم اينما كنتم . وقوله مايكون نجوى ثلثة الا هو رابعهم فانما ارادبذلك استيلا امنائه بالقدرة التى ركبها فيهم على جميع خلقه وان فعله فعلهم (ارشاد امیرالمومنینؑ (احتجاج طبرسی صفحہ 126)

''فرمان ایزدی ہے کہ خدا وہ ہے جو آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمینوں میں بھی معبود ہے (اسی کا قول ہے کہ) وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو (اسی کا قول) جب بھی تین آدمی مل کر سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا ان میں کا اللہ ہوتا ہے۔ (اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم خدا کے لئے مکان یا جگہ مقرر کردو) بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے امور کے لئے اپنے امین پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق میں ایسی قدرت پیدا کردی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ تمام مخلوقات کے ساتھ ہیں ۔ (یعنی حاضر و ناظر ہیں) اور یقیناً خدا کا فعل ان کا فعل ہوتا ہے''۔

حاضرو ناظر: امناء اللّٰہ (محمدؐ وآل محمد علیہم السلام) کو حاضر و ناظر نہ ماننے سے اللہ کی قدرت کا انکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو جسم رکھتا ہے کہ حاضر و ناظر ہو سکے اور نہ ہی کسی مکان یا جگہ میں محدود ہو سکتا ہے۔ نہ ہی آنکھ رکھتا ہے کہ ناظر ہو سکے۔ اس کے اَمین ہی اس کے افعال کے لئے حاضر و ناظر ہیں ۔ اس کی قدرت سے ان کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا درحقیقت اللہ ہی کا حاضر و ناظر ہونا ہے۔ جن کا علم علمِ غیب والشھادۃ (مخلوقات کا علم یعنی علم الاشیاء) اللہ کا علم الغیب والشھادۃ کہلاتا ہے۔ وہی امین ہیں افعال خداوندی کے۔

اگر بیعت کے سلسلے میں رسولؐ کے ہاتھ (جسم) کو تسلیم نہ کیا جائے اور اللہ کا ہاتھ (جسم) قرار دیا جائے تو اللہ کی ذات میں جسم (مخلوق) کی شرکت شرک کا مرتکب بنا دے گی ۔ پس جہاں جہاں افعال حادث بیان ہوں گے ۔ اصل میں امناء اللہ کے افعال ہوں گے۔ جو مشیت اللہ کے مظہر و ظروف ہیں۔ اور اللہ کے افعال کہلائیں گے۔

اللہ کے دونوں ہاتھ: اس مشیت پر صادر ہونے کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

قَالَ یَا إِبْلِیسُ مَا مَنَعَکَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ.. (38/75)

''اے ابلیس تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جسے میرے دونوں ہاتھوں نے بنایا''
اللہ جسم وجسمانیات سے پاک ہے۔ یہ دونوں ہاتھ اللہ کے افعال کے امین (علی علیہ السلام) کے دونوں ہاتھ ہیں۔ جو بطور امین اللہ کا فعل کرنے کے سبب اللہ کے ہاتھ کہلائے گا۔ جیسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کا ہاتھ بیعت لینے والا اللہ کا ہاتھ کہلایا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے آدمؑ کی طینت کو چالیس دن تک خمیر کیا۔ اس میں تعجب کیوں ہو۔ حضرت علی علیہ السلام کے ولی اللہ ہونے کا مقصد ہی کیا ہے اگر وہ اللہ کے افعال کے امین نہ ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نور اوّل کے جز ہیں جو حضرت آدمؑ سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے خلق کئے گئے اور تسبیح وتقدیسِ الٰہی کرتے رہے۔ انہوں نے مشیت اللہ کا ظرف ہونے اور اللہ کے فعل کے امین ہونے کے سبب آدمؑ کی مٹی خمیر کی اور بنایا۔ ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا جیسے بیعت محمدؐ لینے والے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور بیعت فرمایا۔ اگر بعض لوگ ان حقائق پر شک وشبہ رکھتے ہوں تو نبوت محمدؐ اور رسالت کلیہ پر بھی شک کیا گیا ہے کسی کے شک اور انکار سے حقیقت تو بدل نہیں سکتی۔

اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں: فرمایا گیا کہ:

بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ... (5/64) ''بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے اور پھیلے ہوئے ہیں''
ہاتھ بندھے ہونے سے بخل مراد ہے اور کھلے ہوئے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور آزادی ہے (تفسیر صافی صفحہ 138)

اللہ کی سخاوت اور آزادی جسمانی ہاتھوں سے نہیں بلکہ تخلیق وتقسیم ہے اور تخلیق وتقسیم بھی اللہ نے اپنے اُمَناء (افعال کے امین) کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ تخلیق پر آدمؑ کی مثال آ چکی

ہے اور تقسیم کیلئے رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ علیؑ قسیم النار و الجنۃ ہیں۔یعنی اللہ کی تقسیم بطور امین حضرت علیؑ کرتے ہیں اور انکے دونوں ہاتھ اللہ کے ہاتھ کہلاتے ہیں۔تخلیق کا تعلق قضا سے ہے اور تقسیم کا تعلق قدر سے ہے گویا قضا و قدر الٰہی کا تعلق علی علیہ السلام کی ذات سے ہے اور وہی کاتب تقدیر الٰہی ہیں لیکن وہ اللہ کی مشیت کے مطابق عطا کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے۔یُنفِقُ کَیۡفَ یَشَاءُ (5/64) جس طرح مشیت ہوتی ہے خرچ کرتے ہیں''۔اور یہ بھی فرمایا کہ:۔ اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَاءُ وَیَقۡدِرُ.. (13/26) ''جس کسی کیلئے بھی اللہ کی مشیت ہوتی ہے سامان حیات میں کشادگی عطا کر دیتا ہے اور وہی تقدیر کے مطابق کر دیتا ہے''۔

لٰہذا بڑھانا اور گھٹانا یا برابر جاری رکھنا افعال حادث ہیں یہ تبدیلیاں کرنا اللہ کا فعل مانا جائے تو شرک ہو جائے گا اس لئے یہ کام اللہ کے امین یا مظہر قدرت کا ہے جو کہ اللہ کی مشیت پر عمل کرتے ہیں لیکن فعل اللہ کا کہلاتا ہے (اور ظاہر ہے کہ وہ نورؐ اوّل یا اجزائے نور اوّل کرتے ہیں) اور فرمایا کہ :وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰھَا بِاَیۡدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ O (51/47) ''اور ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے آسمانوں کو بنایا ہے اور ہم ہی وسعتیں دینے والے ہیں''

اللہ جسم و جسمانیات سے منزّہ ہے ظاہر ہے کہ آسمانوں کو بنانے والے ہاتھ اللہ کے نہیں ہو سکتے لٰہذا آیت میں مذکورہ ہاتھ افعال الٰہی کے مظہر و امین کے ہاتھ مراد لینا پڑیں گے ورنہ صریح شرک ہو جائے گا۔لٰہذا وہ ہاتھ نور اوّل اور مخلوق اوّل یا نور محمدؐی کے ہاتھ ہیں۔جس نے آسمانوں کو بنایا اور بے انتہا وسعتیں دی ہیں۔اور فرمایا کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ...(67/1)

''برکت والا ہے اللہ جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کی حکومت ہے''

بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک چلی آئی ہے اور آیات کے اس جھمیلے میں قارئین کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کا موقع نہیں ملا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر یہ کتاب لکھی جارہی ہے اور اس کے جسم وجسمانیات کی نفی کیلئے بحثیں جاری ہیں مگر ایک بات کی طرف توجہ نہیں دلائی گئی ہے کہ ہم تو اللہ کے واحد، و، اَحد و یکتا و یگانہ ہونے پر دلائل دے رہے ہیں اور اس کے اعضا کا انکار کررہے ہیں مگر خود اللہ اس کا مخالف ہے وہ قرآن میں جگہ جگہ خود کو جمع کے صیغے سے ذکر کرتا ہے جیسا کہ: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَٰهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ O(51/47)

''اور ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے آسمانوں کو بنایا ہے اور ہم ہی وسعتیں دینے والے ہیں''

اور فرمایا کہ:۔وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ O (36/12)

''ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے'' اور فرمایا کہ:۔

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاًO(19/17)

''ہم نے اس کی طرف اپنی روح کو بھیجا جو مریمؑ کیلئے ایک موزوں مرد بن کر ظاہر ہوئی''

اور فرمایا کہ: وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا...(11/37)

''اور تم ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی تیار کرو''

یہ تین مثالیں تو اسی کتاب میں یہاں تک آچکی ہیں اور قرآن ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ اگر وہ تمام مثالیں آپ کو دکھائی جائیں، جو ہمارے پاس الگ لکھی ہوئی موجود ہیں، تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہوگی۔ بہرحال یا تو اس کتاب کو بند کر کے یہ ماننا ہوگا کہ اللہ تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کئی ایک اور اللہ ہیں۔ ہم کتاب کا لکھنا بھی بند کر سکتے ہیں اور یہ بھی ماننے کو تیار ہو سکتے ہیں کہ بہت سے اللہ ہیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ اللہ نے خود کو اَحد بھی فرمایا ہے اور لاشریک لہ بھی کہا ہے۔ اس تضاد کو دور کرنے کے لئے ہماری

تفسیر کے علاوہ نہج البلاغۃ کی تشریح اور بہت سی دیگر تصنیفات میں بھی یہ حل پیش کیا گیا ہے کہ اللہ نے ادارۂ تخلیق کے توسط سے وہ تمام کام کئے ہیں جن کے کرنے میں اس کی توحید متاثر ہوتی تھی۔ اس ادارہ تخلیق میں نور محمدؐی واجزائے نور محمدیؐ اور ملائکہ وارواح کو داخل کیا ہے جو نور محمدیؐ کے ماتحت کام انجام دیتے ہیں اور وہ تمام کام اور نام اوراعضاء وجذبات اللہ سے منسوب ہوتے ہیں اور اللہ ہی کے افعال کہلاتے ہیں۔ لہٰذا کہیں تو اللہ تنہا خود کو ظاہر کرتا ہے اور کہیں سب کو ملا کر جمع کا صیغہ بولتا ہے۔ جسے ہمارا یہ حل منظور نہ ہو وہ اس سے بہتر حل پیش کرنے کا ذمہ دار ہے۔ مگر قرآن میں تضاد نہ رہے ذاتی قیاسات نہ ہوں اور مقام توحید بھی برقرار رہے۔ ہمیں ایسا حل منظور ہوگا۔ (انشاءاللہ والامام علیہ السلام)

ہمارے پیش کردہ حل کے بعد کتاب توحید وعدل پر بحثیں کرنا فضول تھا۔ اس لئے ہم نے اس کتاب کی ضرورت محسوس نہ کی اس لئے کہ اس کو آسان ترین زبان میں تبدیل کردینے کے بعد بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ سو فیصد قاری اس کو سمجھنے میں دقت وطوالت اور بدمزگی محسوس کریں گے۔ الفاظ کو بار بار دہرانا۔ مطالب کو بار بار لانا ہماری مستقل دقت رہی ہے بہرحال ادارۂ نبوتؐ وامامتؑ اللہ کے وسائط میں سے ہمہ گیر ادارہ ہے اور آج کل امام زمانہ حضرت حجۃ قائم قیامت علیہ الصلوٰۃ والسلام برسرکار ہیں۔

افعال خداوندی اور ادارہ نبوۃؐ وامامۃؑ۔

وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِO(8/50)

''کاش اے رسولؐ تم وہ نظارہ دیکھتے جب ملائکہ حق کو چھپانے والوں کو وفات دیتے ہیں اور

ان کے منہ پراور پیٹھ پر چوٹیں مارتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اب تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے وفات دینے اور سختی کرنے کا کام کرتے ہیں دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:۔اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنفُسَ حِینَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ....الخ(39/42)

''وہ خوداللہ ہی ہے جوموت کے وقت روحیں قبض کرتا ہےاور جوابھی نہیں مراہےاس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے پھرجس پروہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہےاسے روک لیتا ہے''۔

ان دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔پہلی آیت میں وفات دینے کا کام ملائکہ سے منسوب کیا گیا ہےاوردوسری آیت میں وفات دینے کے کام کو اللہ نے خود اپنے ساتھ منسوب کیا ہے۔یہ تو معلوم ہے کہ اللہ خودکوئی بھی کام مخلوق کی طرح نہیں کرتا لہٰذا دوسری آیت میں بھی وفات دینے کا کام ملائکہ ہی نے کیا ہے مگر ملائکہ کے فعل کو اپنے ساتھ منسوب کرلیا ہے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے کام اس کے کاموں کے امین انجام دیتے ہیں اوران کا کیا ہوا کام اللہ ہی کا کام کہلاتا ہے۔یعنی امینوں کے کام کووہ خود سے منسوب کرے یا نہ کرے بہرحال اللہ کے کام اللہ کے امین ہی بجالاتے ہیں پھرمعلوم ہوا کہ ادارہ تخلیق وہدایت میں نورمحمدیؐ کو سپردہ کاموں میں ملائکہ اوراللہ کی مخصوص قوتیں انوارمحمدیؐ کے مددومددگار رہتی ہیں یعنی ادارہ نبوتؐ وامامتؑ میں ملائکہ بھی متعلقہ کام انجام دیتے رہتے ہیں۔رحموں کے اندرتصویریں بنتی ہیں۔بارشیں برسائی جاتی ہیں۔اور یہ تمام کام ادارہ نبوۃؐ وامــامۃؑ انجام دیتا ہےاوران کاموں کوانجام تک پہنچانے کے لئے ملائکہ وارواح کواستعمال کرتا ہےاور یہ سب کام اللہ کے کام کہلاتے ہیں۔اس لئے کہ اللہ کا متعین کردہ ادارہ انجام دیتا ہے۔

محمدؐ کا کام اللہ کا کام ہے۔

موقع بموقع حق کو چھپانے والے لوگ بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے کاموں کو اللہ کے کام مانتے ہیں۔ مثلاً اللہ نے فرمایا کہ:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.... (8/17)

''تم نے دشمنوں پر مٹی نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے مٹی پھینکی تھی''

یہاں اللہ نے محمدؐ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اگر حق کو چھپانے والے بار بار اور طرح طرح سے بیان ہونے والے قرآنی بیانات کو تسلیم کر لیتے تو ہمیں یہ دقت کیوں اٹھانا پڑتی ؟ سب کے سامنے میدان جنگ میں محمدؐ نے دشمنوں پر مٹی پھینکی۔ سارے مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایسی حالت میں بھی اللہ کا یہ فرمانا کہ تم نے نہیں بلکہ مٹی ہم نے پھینکی تھی۔ کس لئے تھا ؟ کیا غرض تھی ؟ صرف یہ غرض تھی کہ دیکھنے والے مسلمان محمدؐ کے فعل کو اللہ کا فعل سمجھیں اور یقین کر لیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور امین افعال الٰہی اللہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے محمدؐ کا فعل اللہ کا فعل ہے جس کی مشیت سے ظہور پذیر ہوا ہے۔

اللہ صفت افعالی سے منزّہ و برتر ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح کام کرنے سے منزہ ہے جس طرح مخلوق کرتی ہے۔ وہ اس تشبیہ اور شرکت صفت سے پاک ہے۔ تمام حادث افعال اللہ کے امینِ افعال کرتے ہیں۔

عین اللہ کا فعل۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ: وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ O (20/39)

تا کہ تم کو میری آنکھوں کے سامنے پرورش کیا جائے“

یہاں نگہبانی کرنا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیات (آنکھ وغیرہ) سے بھی منزّہ ہے اور مخلوق کی طرح افعال سے بھی منزّہ ہے۔ یہاں عین اللہ سے مراد نورؐ اوّل ہے۔ اور نگرانی کرنے والا بھی نور اوّلؐ ہے جو افعال خدا کا امین ہے۔ جس کا فعل اللہ کا فعل جس کی نگرانی اللہ کی نگرانی ہے۔ پھر فرمایا کہ : فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً O(79/5) پس قسم ہے امور عالم کی تدبیر کرنے والوں کی“ تدبیر کرنا فعل حادث ہے۔ اور اللہ فعل حادث سے پاک ہے تدابیر کرنے والے بہت سے ہیں اور اللہ تنہا ویگانہ ہے لہٰذا امور عالم کی تدبیر اللہ نہیں کرتا۔ لہٰذا تدبیر امور کائنات کرنے والے یا ملائکہ ہو سکتے ہیں یا محمدؐ وآل محمد علیہم السلام ہیں۔

مدبر کائنات نوراوّل یا نور محمدیؐ ہے۔

عن عبداللّٰہ بن سنا ن عن ابی عبداللّٰہ قال سمعتہ یقول اللھم صل علی محمدؐ صفیک وخلیلک ونجیک المدبر لامرک . ھذا یدل ان لہ مدخلافی تدبیر امور العالم وان الملئکۃ الموکلین بذلک مامورین بامرہ۔ (مرات العقول جلد 1 صفحہ 372)

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جدامجد پر درود بھیجتے ہوئے فرمایا ہے کہ یا اللہ اپنے برگزیدہ دوست اور ہم راز محمدؐ کو اپنے حقیقی اور اکتسابی منتہیٰ سے ملا دے (درود کے حقیقی معنی) جو تیرے امر کے مدبر ہیں۔ (راوی کہتا ہے کہ) یہ لفظ مدبر اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کو امور عالم کی تدبیر میں عملی دخل ہے اور ملائکہ جو موکل ہوتے ہیں آپؐ کے حکم سے امور الٰہی کے انجام دینے پر“

نورؐ اوّل یا اس نورؐ اوّل کے حاملین محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم وہ صاحبان امر الٰہی واولی الامر

ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مدبر امور ہیں (بطور مشیت اللہ) اور ملائکہ ان کے حکم سے مامور ہوتے ہیں امور کی انجام دہی پر۔ ظاہر ہے کہ نورؐ اوّل یا مخلوقؐ اوّل ہی وسط و وسیلہ ہے خدا اور ملائکہ کے درمیان اور کل مخلوقات کے درمیان۔ پس مدبرِ اُمورِ کائنات مخلوق اوّل نورؐ اوّل ہے۔ پھر اس کے حکم سے ملائکہ ہیں۔ لہٰذا بارش افعال خدا کے امین مدبر امور الٰہی مشیت اللہ کے ظروف محمد و آل محمد علیہم السلام یا امامؑ زمانہ کے حکم سے بَرسے گی جن کا حکم اللہ کا حکم اور جن کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ اسی لئے شب قدر میں انؑ پر تمام ملائکہ و روح ہر قسم کا امر لے کر یا لینے حاضر ہوتے ہیں اور وہی ان کو ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ** (4/80) ''جو رسولؐ کی اطاعت کرے گا اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔''

لہٰذا ملائکہ رسولؐ (نور اوّل) کی اطاعت کرتے ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رسولؐ مشیت اللہ کے ظرف ہیں۔ یہی حال نور محمدیؐ کے اجزاء محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہے۔ جن کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال حادث امناء اللّٰہ کے افعال ہیں۔

تخلیق:۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (14/32)

''اللہ ہی وہ ہستی ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے''

لہٰذا آسمانوں اور زمین کی تخلیق نورؐ اوّل افعال الٰہی کے امناء سے حدوث میں آئے گی۔ جن کا فعل اللہ کی مشیت کا ظرف ہونے کی وجہ سے اللہ کا فعل کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ خود اسی طرح بنائے جس طرح مخلوق بناتی ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَO (51/47)

''ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور ہم وسعتیں دینے والے ہیں'' ظاہر ہے کہ اللہ جسم وجسمانیات سے منزّہ ہے۔لہٰذا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے یقیناً ہاتھوں والی مخلوق ہونا لازم ہے اور وہ مخلوق ایسی ہونا چاہیے جو آسمانوں سے پہلے موجود ہو اور اسے تخلیق کا علم وقدرت بھی حاصل ہو اور ایسی مخلوق نہ ملائکہ ہو سکتے ہیں نہ ارواح ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ مخلوق مخلوق اوّل، نور اوّل یعنی نور محمدیؐ ہے جن کو کائنات کی تخلیق سے کروڑوں اربوں سال پہلے پیدا کیا گیا اور اپنے تعارف کے لئے تمام قدرتیں اور صفات دی گئیں اور اس قابل بنایا گیا کہ جہاں جہاں اللہ کو پیش کرنا ہو خود پیش ہو کر اللہ کا وجود وقدرت وکمال پیش کرسکیں اور کسی طرح کی کمی نہ رہ جائے اور صاحبان عقل اللہ کا وجود سمجھ سکیں اسی لئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَO(2/164)

''جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کیلئے آسمانوں اور زمینوں کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسانوں کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے سمندروں میں چلتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس پانی کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندگی بخشتا ہے اور اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا رکھے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں''۔

یہاں بھی اور جگہ جگہ بھی عقل والوں کو متوجہ کر کے یہ پورا سلسلہ عمل بیان فرما دیا ہے اور جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تفصیل سے آسان الفاظ میں سامنے رکھ دیا ہے جس کے سمجھنے میں معمولی عقل کے آدمی کو بھی کوئی دقت یا الجھن نہیں ہوتی اس کے باوجود یہ کیوں کہا گیا کہ: لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ؟'' اہل عقل کے لئے ہی ضرور آیتیں، معجزات اور نشانیاں ہیں''؟

مطلب یہ ہے کہ اسی بیان میں، بیان شدہ حقائق کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات ہیں۔نشانیاں ہیں۔یعنی بیان شدہ الفاظ اور انتظام کے ہر ہر لفظ پر غور کیا جائے گا تو اہل عقل اُسی انتظام میں سے اور انتظامات اخذ کر کے اُس سے مستفید ہونے کی راہیں نکال سکتے ہیں جو معجزات کی حد تک مفید ہوں گی۔ چنانچہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا کے اہل عقل نے جو ترقی کی ہے اور جو ایجادات کی ہیں ان کا کافی حصہ اس آیت کے ماتحت آجاتا ہے۔ یہاں تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔مگر عنوان سے متعلق یہ ضرور کہنا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے ان انتظامات میں جو تدبیریں کی ہیں وہ خود بخود دوسری تدبیروں کی مدد ومعاون بنتی چلی گئی ہیں۔مثلاً پورا بادل ایک تدبیر کے ماتحت پانی بن گیا تو دوسری تدبیر یا تدبیروں نے اس پانی کو توڑ توڑ کر بوندوں کی صورت میں زمین تک پہنچایا اور اس نقصان سے بچالیا جو پانی کے پورے ذخیرے کے گرنے سے پہنچتا۔ ہوائیں اگر ٹھنڈی ہوں تو بوندوں کو جما کر اولوں کی صورت پر تبدیل کر دیتی ہیں۔ٹھنڈی ہوائیں اگر اس وقت پانی سے ملیں جس وقت وہ ابھی ننھی ننھی بوندوں کی صورت میں نہ آیا تھا تو اولے بڑے بڑے گریں گے۔اور لوگ ان کے لگنے سے زخمی ہو جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔اس مثال سے ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ خود آ کر پانی کو بوندوں میں

تبدیل نہیں کرتا۔ اولے نہیں بناتا۔ بادل کو پانی نہیں بناتا۔ بادل کو خود اٹھا کر اوپر نہیں لے جاتا۔ خود بادل کو نہیں بناتا۔ یہاں سب جگہ آپ کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ سمندر کا پانی گرم ہوکر بھاپ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ بھاپ کو ہوا اوپر لے جاتی ہے اور بادل بن جاتے ہیں۔ مناسب ٹھنڈ لگنے پر بادل بوجھل ہوکر پانی بن جاتے ہیں اور ہوا کے قابو میں نہیں رہتے بھاری ہونے کی وجہ سے پانی نیچے گرنا شروع ہوتا ہے۔ ہوائیں اس پانی کو توڑنے اور بوندیں بنانے لگتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (Water Cycle)۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ انتظام در انتظام یہ کام ہوتے ہیں اللہ خود آ کر نہیں کرتا۔ تو یہ ماننے میں کیا خرابی ہے کہ اللہ نے سب سے بڑا انتظام نورؑ اوّل کی صورت میں کیا ہے۔ نورؑ اوّل نے دوسرے انتظامات کیے ہیں اور سیدھی سادی زبان میں نور اوّل نور محمدیؐ ہے یا ادارہ نبوتؐ و امامتؐ ہے۔ اور یہی سب سے بڑی تدبیر یا تدبیروں کی بنیاد ہے۔ اور تدبیر امور کائنات کا بانی مبانی ہے۔

کائنات میں کاروبار کائنات علل و اسباب (CAUSE & EFFECTS) پر چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور علل و اسباب کے مغالطات میں الجھ کر اہل عقل دھریت اور لا مذہبیت کے جال میں پھنس گئے اور سوچ لیا کہ یہ کارخانہ عالم رفتہ رفتہ خود بخود وجود میں آ گیا ہوگا۔ یہاں سے بحث اور گفتگو کا رُخ بدلتا ہے۔ اور خالق کائنات کے وجود پر گفتگو ہوتی ہے۔ پھر خالق کائنات کی توحید و عدل پر بات پہنچتی ہے۔ بہرحال آج بھی انسانوں کی کثرت اللہ کے وجود کی منکر ہے۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا فلسفہ مذہب آپ کے سامنے سے گزر رہا ہے اور یہ فلسفہ فلسفہ نہیں ہے چشم دید حقائق ہیں اُن حقائق کو بیان کرنے میں فلسفہ کا رنگ آ جاتا ہے۔ مگر ہمارے یہاں قیاسات اور تخمینوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور بات آیات

سے یا معصومؑ فرمانات سے کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب میں اللہ ہمیشہ سے ہے۔ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے۔ کائنات کو وجود میں لانا اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ اپنا تعارف کرانا چاہتا تھا۔ اس نے محمدؐ کو پیدا کردیا اور محمدؐ کے متعلقاتؐ اور محمدؐ کی ضروریاتؐ وغیرہ کو پیدا کرتے کرتے یہ کائنات وجود میں آتی گئی ۔ یہاں بحث اس بات پر ہورہی ہے کہ تدبیر امور کائنات محمد وآل محمد علیہم السلام کرتے ہیں اور اللہ محمد وآل محمد علیہم السلام کی ضروریات کی تکمیل میں یا خود اپنے تعارف کو مکمل کرنے میں مدد دیتا رہتا ہے۔ لہٰذا تدابیر کرنا اللہ کا کام نہیں ہے وہ تو جو ارادہ کرتا ہے وہ کام فوراً ہوجاتا ہے۔ اور کسی بھی کام کے فوراً ہوجانے میں علت واسباب کا عمل دخل نہیں ہوسکتا ہے۔

مثال کے طور پر اللہ فرماتا ہے کہ :

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ O(2/117)

''وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے''

دوسری مثال:

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضٰى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ O(3/47)

''فرشتے نے مریمؑ کے جواب میں کہا کہ'' ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتا ہے''

تیسری مثال:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُO(3/59)

''یقیناً اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور اسے حکم دیا تھا کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوگیا تھا''۔

چوتھی مثال:

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِىْ الصُّوَرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُO(6/73)

''وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا ہے۔ اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہوجائے اسی دن حشر ہوجائے گا۔ اس کا کہنا ہی عین حق ہے اور حکومت اسی کے لئے ہے اور جس روز صور پھونکا جائے گا۔ وہ غیب اور شہادت کا عالم ہے اور دانا اور باخبر ہے''

پانچویں مثال:

مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضٰى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ O(19/35)

''اللہ کیلئے یہ موزوں ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ تو پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ''ہوجا'' اور بس وہ بات ہوجاتی ہے''

چھٹی مثال:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ O(36/82)

''وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دیتا ہے کہ ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے''

آخری مثال:

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضٰى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُO (40/68)

''وہی ہے زندگی دینے والا اور وہی ہے موت دینے والا ۔ وہ جس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہے۔بس اسے حکم دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہو جاتی ہے''

یہ سات مثالیں ایسی ہیں جن پر علامہ مودودی خاموشی سے گزرتے چلے آئے ہیں اور کُنْ فَیَکُوْن کی کوئی توضیح وتشریح نہیں کی ہے۔اب ایک ایسی مثال لکھتے ہیں جہاں علامہ نے ادھوری توضیح کی ہے۔ سنئے اللہ نے فرمایا کہ:۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنٰهُ أَنْ نَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُO(16/40)

''اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہوتے کہ ہمارا کسی چیز کو یہ کہنا کہ ہو جا، جب ہم کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے''

مودودی کی تشریح ۳۶۔ ''یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اور تمام اگلے پچھلے انسانوں کو بیک وقت جلا اٹھانا کوئی بڑا ہی مشکل کام ہے۔حالانکہ اللہ کی قدرت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے کے لئے کسی سروسامان، کسی سبب اور وسیلے، اور کسی سازگاریٔ احوال کا محتاج نہیں ہے۔اس کا ہر ارادہ محض اس کے حکم سے

پورا ہوجاتا ہے اس کا حکم ہی سروسامان وجود میں لاتا ہے۔ اس کے حکم ہی سے اسباب ووسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ اس کا حکم ہی اس کی مراد کے عین مطابق احوال تیار کرلیتا ہے۔ اس وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی مجرد حکم سے وجود میں آئی ہے اور دوسری دنیا بھی آناً فاناً صرف ایک حکم سے ظہور میں آسکتی ہے'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 542)

مکمل اور صحیح تشریح: علامہ مودودی نے یہ محسوس کرلیا ہے کہ اللہ کا لفظ کُن کہنا یا ارادہ کرنا اور کام کا فوراً یا آناً فاناً وقوع میں آجانا ممکن نہیں اگر متعلقہ سروسامان موجود نہ ہو اور اسباب ووسائل فراہم نہ ہوں اور اللہ کی مراد کے مطابق احوال موجود نہ ہوں۔ اسی لئے علامہ نے لفظ ''کُن'' میں یا اللہ کے ''ارادے'' اور ''حکم'' میں ان تینوں چیزوں کو داخل کر دیا ہے۔ یعنی ''کُن'' کہتے ہی یا ارادہ کرتے ہی یا حکم دیتے ہی فوراً سروسامان جمع ہوجاتا ہے اور فوراً اسباب ووسائل فراہم ہوجاتے ہیں اور فوراً ہی متعلقہ احوال وجود میں آجاتے ہیں اور یوں لفظ کُن یا ارادہ خداوندی یا حکم خداوندی پورا ہوجاتا ہے۔ یہی علامہ کی غلطی ہے۔ فوراً یہ سب کچھ نہیں ہوسکتا یہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔ یہ غلطی یوں واضح ہوجائے گی کہ جب اللہ نے ہمالہ پہاڑ وجود میں لانے کے لئے لفظ کن کہا یا ارادہ کیا یا حکم دیا تو ہمالہ پہاڑ اپنی پوری اونچائی (40000) چالیس ہزار فٹ کی بلندی سمیت نکل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پتھر اور پہاڑ ہزاروں سال میں بڑھتے اور بلند ہوتے ہیں ان کا بڑھنا دیکھا اور ناپا (پیمائش) جاسکتا ہے۔ بچہ (9) ماہ میں تیار ہوتا ہے۔ یہ اگر فوراً پیدا ہوجائے تو حمل کا قرار پانا۔ بدن اور صورت کا بننا وغیرہ فوراً ہوجائے تو ماں کے پیٹ سے اچانک نکل پڑنا ماننا ہوگا۔ یعنی ایک دم رحم مادر اور اندام نہانی پھٹ کر رہ جائے گا۔ لہٰذا تخلیق کے دو طریقے ماننا ہی پڑیں گے۔ ایک طریقہ ''آناً فاناً'' ہے اور دوسرا طریقہ

''بتدریج یا مرحلہ وار'' ہے مودودی نے دونوں طریقوں کو ایک بنا دیا ہے۔ اور تدریج کا گویا انکار کر دیا ہے۔ جو قرآن سے قدم قدم پر ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍO (50/38)(32/4)(25/59)(11/7)(7/54) وغیرہ وغیرہ

''اور یقیناً ہم نے چھ (6) دن میں آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو پیدا کر دیا اور ہمیں تھکن چھو بھی نہ سکی''

مندرجہ بالا آیت سے مودودی کا بیان غلط نکلا اگر فوراً سب کچھ ہو جاتا ہے تو چھ دن میں تخلیق کیوں ہوتی؟ چھ دن کا ذکر جگہ جگہ ہوتا چلا گیا ہے اور مودودی ٹالتے چلے گئے ہیں مگر آیت (7/54) کی ذیل میں لکھا ہے کہ:

مودودی چھ دن کی تشریح کو 6x50 = ہزار سال تک لے گئے۔

''۴۰ یہاں دن کا لفظ یا تو اسی چوبیس گھنٹے کے دن کا ہم معنی ہے جسے دنیا کے لوگ دن کہتے ہیں۔ یا پھر یہ لفظ دَور (Period) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورہ حج آیت نمبر ۴۷ میں فرمایا وان یوماً عندربک کالف سنة مماتعدون (اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کے ہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہے اس حساب سے جو تم لوگ لگاتے ہو) اور سورہ معارج کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا کہ تعرج الملئکة والروح الیه فی یومٍ کان مقدارہ خمسین الف سنة (فرشتے اور جبرئیل اس کی طرف ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے) اس کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے''۔

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 36)

قارئین نے دیکھ لیا کہ مودودی نے اللہ کے کاموں کو آناً فاناً کے بجائے تین لاکھ سال میں ہونا مان لیا اور آناً فاناً سروسامان کا جمع ہوجانا اور اسباب ووسائل فراہم ہوجانا اور مراد کے مطابق احوال کا وجود میں آجانا بکواس بنادیا بلکہ ہر حکم کے پورا ہونے میں تین لاکھ سال تک کا دور یا Period صرف ہوجانا تسلیم کرلیا پھر یہ لکھ کر کہ اس کا صحیح مفہوم اللہ بہتر جانتا ہے یہ ثابت کردیا کہ ان کے تمام راہنما چودہ سو سال سے نہ صرف جاہل ثابت ہوجاتے ہیں بلکہ ان کا عمداً محمدؐ وآل محمدؐ سے لاتعلق رہنا بھی ثابت ہوجاتا ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ عہد رسولؐ کے صحابہ نے رسولؐ سے کیوں نہ پوچھا؟ جواب یہ ہے کہ جو جواب ملتا اس کی رو سے حضرت علیؑ کو راہنما ماننا ضروری ہوجاتا اور قریش کو یہ منظور نہ تھا۔ بہرحال مودودی ہی نہیں بلکہ ان کا پورا سلسلہ جہلا اور دشمنِ عقل وقرآن ثابت ہوگئے (25/30-31)

ایک اور مقام ملاحظہ ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهُ أَندَاداً ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ O وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا أَقْوَاتَهَا فِیْ أَرْبَعَةِ أَیَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّآئِلِیْنَ O ثُمَّ اسْتَوٰی إِلَی السَّمَاءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِیَا طَوْعاً أَوْ کَرْهاً قَالَتَا أَتَیْنَا طَائِعِیْنَ O فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَأَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظاً ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ O (41/9-12)

''اے نبیؐ ان سے کہو کہ کیا تم اس اللہ کی حقیقت کو چھپاتے ہو اور دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس اللہ نے زمین کو دودن میں پیدا کردیا تھا؟ وہی تو پوری کائنات کا پالنے

والا ہے۔اس نے زمین کو وجود میں لانے کے بعد اوپر سے زمین پر پہاڑ پیدا کیئے اور زمین میں برکتیں رکھ دیں اور زمین کے اندر تمام طلب گاروں کے لئے چار دن میں تمام قسم کی خوراک کا موزوں انتظام کر دیا۔ پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو کہ اس وقت تک دھواں ہی دھواں تھا۔ اللہ نے اس دھوئیں اور زمین سے کہا کہ تم خواہ بخوشی یا ناگواری سے مطلوبہ وجود اختیار کر کے سامنے آؤ۔ دونوں نے کہا کہ ہم فرمانبرداروں کی طرح آتے ہیں۔ تب اللہ نے دو دن کے اندر اندر اس دھوئیں سے سات (7) آسمان بنا دیئے۔ اور ہر آسمان میں متعلقہ قانون وحی کر دیا۔ اور دنیا والے آسمان کو ہم نے چراغوں اور تحفظ کے سامان سے آراستہ کر دیا۔ وہی تو غالب رہنے والے علیم کی تقدیر ہے''

اس بیان میں اللہ نے زمین کی تخلیق پر دو دن لگائے ہیں اور صرف زمین کو مبارک بنانے میں اور تمام قسم کے طلب گاروں کی خوراک پیدا کرنے پر چار دن صرف کیئے (آیات 41/9-10) اور سات آسمانوں کے بنانے میں دو دن اور خرچ کیئے ہیں یوں کل آٹھ دن میں زمین و آسمان اور خوراک وغیرہ کا انتظام کرنے پر صرف کیئے ہیں۔ اور پہلے بہت سی آیات میں کل چھ دن میں زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کرنے کی بات کی تھی۔ بہرحال مودودی اینڈ کمپنی قیاسات پر بنیاد رکھتی ہے نہ پوری طرح قرآن کو مانتی ہے نہ صاحبان قرآن سے تعلق رکھنا چاہتی ہے اس لئے اس کی تفہیم میں تضاد اور جہالت دست و گریبان رہتے ہیں بہرحال وہ اپنی تشریحات اور توضیحات اور تفسیرات میں ڈانواں ڈول گزرتے چلے گئے ہیں اور قیاسات نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ علامہ تخلیق کی حقیقت سے جاہل مرے ہیں۔ یا محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کی پوزیشن کو چھپانے میں کوشاں رہتے ہوئے اپنے انجام کو پہنچے اور واصل

اعمال ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ موٹے موٹے تخلیق کے دو ہی طریقے ہیں آناً فاناً اور بتدریج و مرحلہ وار تخلیق۔ پہلے طریقے میں براہ راست اللہ کا حکم وارادہ فوراً وجود میں لاتا ہے اور دوسرا طریقہ ادارۂ نبوتؐ وامامتؑ کو تخلیق کی تدریج اور مرحلوں میں لگا دیتا ہے اور نتائج برآمد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور تخلیق نہ چھ روز میں مکمل ہوئی نہ آٹھ روز میں بلکہ تخلیق آج تک جاری ہے۔ اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ دنوں کی تعداد شمار کرنا بے بصیرتی ہے۔ جو چیز جتنے فطری وقت میں وجود اختیار کرتی ہے اسے اسی عرصہ میں موزوں ترین صورت اور خواص وصفات عطا کرنا نور اوّل کی ضرورت کے مطابق اللہ کے علم میں ہے۔ کوئی چیز نہ مقررہ وقت سے زیادہ وقت لیتی ہے نہ کم وقت میں وجود اختیار کرتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ **ذٰلک تقدیر العلیم** ۔ اور ادارہ نبوتؐ وامامتؑ کو اللہ نے ملائکہ کی لاانتہا قوتیں سونپ رکھی ہیں جو نور اوّل یا نور محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے حکم اور ضرورت کے مطابق کام کرتی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے خطبۃ البیان میں تفصیلات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَنَا الَّذِیۡ عِنۡدِیۡ مَفَاتِیۡحُ الۡغَیۡبِ لَایَعۡلَمُھَا بَعۡدَ مُحَمَّدٍ غَیۡرِیۡ ؛اَنَا بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ؛ اَنَا الَّذِیۡ قَالَ فِیۡهِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَا مَدِیۡنَةُ الۡعِلۡمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا ؛ اَنَا ذُو الۡقَرۡنَیۡنِ الۡمَذۡکُوۡرُ فِیۡ الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ؛ اَنَا الۡحَجَرُ الۡمُکَرَّمُ الَّذِیۡ تَفۡجَرُ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَیۡنًا ؛اَنَا الَّذِیۡ عِنۡدِیۡ خَاتِمُ سُلَیۡمَانَ ؛ اَنَا الَّذِیۡ اَتَوَلّٰی حِسَابَ الۡخَلَائِقِ ؛اَنَا اللَّوۡحُ الۡمَحۡفُوۡظُ ؛اَنَا مُقَلِّبُ الۡقُلُوۡبِ وَالۡاَبۡصَارِ اِنَّ اِلَیۡنَا اِیَابَهُمۡ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ ؛ اَنَا الَّذِیۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَاعَلِیُّ الصَّرَاطُ صِرَاطُکَ وَالۡمَوۡقِفُ مَوۡقِفُکَ ؛ اَنَـا الَّـذِیۡ عِـنۡـدَہٗ عِـلۡـمُ الۡکِتَابِ عَلٰی مَاکَانَ وَمَایَکُوۡنُ اَنَا آدَمُ الۡاَوَّلُ اَنَانُوۡحُ الۡاَوَّلُ اَنَـا اِبۡـرَاھِیۡمُ الۡخَلِیۡلُ حِیۡنَ اُلۡقِیَ فِی النَّارِ اَنَامُوۡنِسُ الۡمُوۡمِنِیۡنَ ؛ اَنَا فَتَّاحُ الۡاَسۡبَـابِ ؛ اَنَـا مُـنۡشِیُٔ السَّحَابِ ؛ اَنَا مُوَرِّقُ الۡاَشۡجَارِ ؛ اَنَا مُفَجِّرُ الۡعُیُوۡنِ اَنَا مُـطَّـرِوَ الۡاَنۡھَـارِ ؛ اَنَـادَاحِـیُ الۡاَرۡضِیۡـنَ اَنَـاسَـمَّاکُ السَّمٰوٰتِ ؛عِنۡدِیۡ فَصۡلُ الۡـخِـطَابِ اَنَا قَسِیۡمُ الۡجَنَّۃِ وَالنَّارِ ؛اَنَا تَرۡجَمَانُ وَحۡیِ اللّٰہِ اَنَا مَعۡصُوۡمٌ مِنۡ عِنۡدِ الـلّٰـہِ ؛ اَنَـا حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلٰی مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَفَوۡقَ الۡاَرۡضِیۡنَ ؛ اَنَا خَازِنُ عِلۡمِ الـلّٰہِ اَنَا قَائِمُ بِالۡقِسۡطِ ؛ اَنَا دَابَّۃُ الۡاَرۡضِ ؛ اَنَا الرَّاجِفَۃُ اَنَا الرَّادِفَۃُ ؛اَنَا الصَّیۡحَۃُ بِـالۡـحَـقِّ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ الَّذِیۡ لَایُکۡتَمُ عَنۡہُ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؛ اَنَا عَلِیٌّؑ ابۡـنِ اَبِـیۡ طَـالِـبٍؑ صَوۡتَہُ فِی الۡحُرُوۡبِ کَاَصۡوَاتِ الرَّعۡدِ ؛ اَنَا اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ حُـجَّـتَـہٗ وَکَتَبَ عَلٰی حَوَاشِیۡہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوۡلُ ؐ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَ وَصِیُّـہٗ ؛ثُـمَّ خَـلَـقَ الۡـعَـرۡشَ وَ کَتَبَ عَلٰی اَرۡکَانِہٖ اَرۡبَعَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ مُحَمَّدٌؐ رَسُـوۡلُ اللّٰـہ عـلـیؑ وَلِـیُّ الـلّٰہ وَوَصِیہ،وَقَالَ ثُمَّ خَلَقَ الۡاَرۡضِیۡنَ فَکَتَبَ عَلٰی اَطۡـرَافِھَـا .وَقَـالَ ثُـمَّ خَـلَـقَ الـلَّوۡحَ فَکَتَبَ عَلٰی حُدُوۡدِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ مُحَمَّدٌؐ رَسُـوۡلُ الـلّٰـہ علیؑ وَلِیُّ اللّٰہ وَوَصِیَّہٗ، اَنَـا السَّـاعَۃُ الَّتِیۡ لِمَنۡ کَذَّبَ بِھَا عَذَّبَ سَعِیۡرًا ؛ اَنَـا ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَارَیۡبَ فِیۡہِ ؛ اَنَـا الۡاَسۡـمَاءُ الۡحُسۡنٰی الَّتِیۡ اَمَرَ اللّٰہُ اَنۡ یُّدۡعٰی بِہٖ ؛ اَنَـا الـنُّـوۡرُ الَّذِیۡ اِقۡتَبَسَ مِنۡہُ مُوۡسٰیؑ فَھَدٰی ؛ اَنَا ھَادِمُ الۡقُصُوۡرِ ؛ اَنَا مُخۡرِجُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنَ الۡقُبُوۡرِ ؛اَنَا الَّذِیۡ عِنۡدِیۡ اَلۡفُ کِتَابٍ مِنۡ کُتُبِ الۡاَنۡبِیَآءِ ؛ اَنَـا الۡمُتَکَلِّمُ بِکُلِّ لُغَتٍ فِی الدُّنۡیَا ؛اَنَاصَاحِبُ نُوۡحٍ وَمُنۡجِیۡہِ اَنَاصَاحِبُ اَیُّوۡبَ

الْـمُبْتَـلٰـى وَمُـنْـجِيْهِ وَشَافِيْهِ اَنَاصَاحِبُ يُوْنُسَ وَمُنْجِيْهِ ؛ اَنَا اَقَمْتُ السَّمٰوٰتِ السَّبْـعِ بِـنُـوْرِىْ وَالْـقُدْرَةِ الْكَامِلَةِ ؛ اَنَا الَّذِىْ بِىْ اَسْلَمَ اِبْرَاهِيْمُ الْخَلِيْلُ لِرَبِّ الْـعَـالَمِيْنَ وَاَقَرَّ بِفَضْلِهٖ ؛ اَنَا عَصَاءُ الْكَلِيْمِ وَبِهٖ اٰخِذٌ بِنَاصِيَةِ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ ؛ اَنَـا الَّـذِىْ نَـظَـرْتُ فِـىْ عَالَمِ الْمَلَكُوْتِ فَلَمْ اَجِدْ غَيْرِىْ وَقَدْغَابَ ؛ اَنَا الَّذِىْ اُحْـصِـىْ هٰـذَا الْـخَلْقَ وَاِنْ كَثُرُوْا حَتّٰى اَءَ دَّيْتُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ؛ اَنَا الَّذِىْ لَايَتَبَدَّلُ الْـقَـوْلُ لَـدَىَّ وَمَـا اَنَـا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ ؛اَنَا وَلِىُّ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ وَالْمُفَوَّضُ اِلَيْهِ اَمْـرُهٗ وَاَحْـكُـمُ فِـىْ عِبَـادِهٖ ؛اَنَـا الَّـذِىْ دَعَـوْتُ السَّـمٰوٰاتِ السَّبْعَ فَاَجَابُوْنِىْ فَـاَمَـرْتُهَـا فَيَـنْـصِبُـوْنَ ؛اَنَا الَّذِىْ بَعَثْتُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ ؛اَنَاالَّذِىْ دَعَوْتُ الشَّـمْسَ وَالْقَمَرَ فَاَجَابَانِىْ ؛ اَنَـافَطَرْتُ الْعٰلَمِيْنَ ؛ اَنَادَاحِى الْاَرَضِيْنَ وَعَالِمٌ بِـالْاَقَـالِيْـمِ ؛ اَنَـا اَمْـرُ اللّٰهِ وَالرُّوْحُ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِرَبِّىْ ؛ اَنَا الَّذِىْ قَالَ اللّٰهُ لِاَعْـدَائِـهٖ اَلْقِيَافِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍعَنِيْدٍ ؛ اَنَا الَّذِىْ لَرَسَيْتُ الْجِبَالَ وَبَسَطْتُّ الْاَرَضِيْـنَ اَنَـا مُـخْـرِجُ الْـعُيُوْنِ وَمُنْبِتُ الزُّرُوْعِ وَمُشْرِفُ الْاَشْجَارِ وَمُخْرِجُ الثِّـمَـارِ ؛اَنَـا الَّـذِىْ اُقَـدِّرُ اُقْوَاتَهَا وَمُنْزِلُ الْمَطَرِ وَمُسْمِعُ الرَّعْدِ وَالْبَرْقِ ؛ اَنَا مُـضِىُّ الشَّمْسِ وَمُطْلِعُ الْفَجْرِ وَمُنْشِئُ النُّجُوْمِ وَمُنْشِئُ الْفُلْكِ فِى الْبُحُوْرِ ؛ اَنَا الَّـذِىْ اَقُوْمُ السَّـاعَةَ اَنَـا الَّـذِىْ اِنْ اَمَـتُّ فَـلَمْ اَمُتْ وَاِنْ قُتِلْتُ فَلَمْ اُقْتَلْ ؛ اَنَا الَّـذِىْ اَعْـلَـمُ يُـحْـدِثُ اَنَـا بَعْدَ اٰنٍ وَسَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ اَنَا الَّذِىْ اَعْلَمُ خَطَرَاتِ الْـقُـلُـوْبِ وَلَـمْحِ الْعُيُوْنِ وَمَا يُخْفِى الصُّدُوْرُ ؛اَنَا صَلٰوةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَكٰوتُهُمْ وَحَـجُّهُـمْ وَجِهَادُهُمْ ؛ اَنَا النَّاقُوْرُ الَّذِىْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِذَ اُنْقِرَ فِى النَّاقُوْرِ اَنَا صَـاحِـبُ الـنَّشْرِ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ اَنَا اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ وَاَنَاوَعَلِىٌّ مِنْ نُوْرٍ

وَاحِدٍ ؛ اَنَا صَاحِبُ الْكَوَاكِبِ وَمُزِيْلُ الدَّوْلَةِ اَنَا صَاحِبُ الزَّلْزَالِ وَالرَّاجِفَةُ وَاَنَا صَاحِبُ الْبَلَايَا وَفَصْلُ الْخطَابِ ؛ اَنَاصَاحِبُ اِرَمَ ذَاتَ الْعِمَادِ الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبَلَادِ وَاَنَا نَازِلُهَا وَاَنَا مُنْفِقُ الْبَازِلِ بِمَا فِيْهَا ؛ اَنَا اَهْلَكْتُ الْجَبَابِرَةَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ بِسَعْيِ ذِى الْفِقَارِ ؛ اَنَا الَّذِىْ حَمَلْتُ النُّوْحَ فِى السَّفِيْنَةِ اَنَا الَّذِىْ اَنْجَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْنِسُهُ وَاَنَا مُوْنِسُ يُوْسُفَ فِى الْجُبِّ وَمُخْرِجُهُ اَنَاصَاحِبِ مُوْسىٰ وَالْخِضْرِ وَمُعَلِّمُهُمَا ، اَنَا مَنْشَاءُ الْمَلَكُوْتِ وَالْكَوْنِ ؛ اَنَا الْبَارِئُ اَنَا الْمُصَوِّرُ فِى الْاَرْحَامِ ؛ اَنَاالَّذِىْ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَاَدْفَعُ الْاَبْرَصَ وَاَعْلَمُ مَافِى الضَّمَائِرُ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاكُلُوْنَ وَمَاتَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؛اَنَا الْبَعُوْضَةُ الَّتِىْ ضَرَبَ اللّٰهُ بِهَا مَثَلا اِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحِىْ اِنْ يَضْرِبَ مَثَلا مَّابَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؛ اَنَا الَّذِىْ اَطَاعَنِى اللّٰهُ فِىْ الظُّلْمَةِ ؛اَنَا الَّذِىْ اَقَامَنِىَ اللّٰهُ وَالْخَلْقُ فِىْ الظُّلْمَةِ وَدَعٰى اِلٰى طَاعَتِىْ فَلَمَّا ظَهَرْتُ اَنْكَرُوْهُ قَالَ جَلَّ وَعَلا فَلَمَّا جَائَهُمْ مَّاعَرَفُوْا كَفَرُوْابِهٖ ؛ اَنَا الَّذِىْ كَسَوْتُ الْعِظَامَ لَحْمًا ؛ اَنَا الَّذِىْ هُوَ حَامِلُ عَرْشِ اللّٰهِ مَعَ الْاِبْرَارِ مِنْ وُلْدِىْ وَحَامِلُ الْعَلَمِ اَنَا الَّذِىْ اَعْلَمُ تَاوِيْلَ الْقُرْاٰنِ وَالْكُتُبِ السَّالِفَةِ اَنَا لُمَرْسُوْخُ فِى الْعِلْمِ ؛اَنَا وَجْهُ اللّٰهِ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اَنَاصَاحِبُ الْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ؛ اَنَابَابُ اللّٰهِ الَّذِىْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَاتُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ لَايَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ اَنَا الَّذِىْ خَدَمَنِىْ جِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ اَنَا الَّذِىْ رُدَّلِى الشَّمْسَ مَرَّتَيْنِ اَنَا الَّذِىْ خَصَّ اللّٰهُ

جِبۡـرَئِیۡـلُ وَمِیۡـکَـائِیۡـلُ بِـالـطَّاعَةِ لِیۡ ؛ اَنَاصَاحِبُ الطُّوۡرِ وَاَنَاصَاحِبُ الۡکِتٰبِ الۡـمَسۡـطُوۡرِ اَنَـا بَیۡـتُ اللّٰهِ الۡمَعۡمُوۡرِ اَنَا الۡحَرۡثُ وَالنَّسۡلُ اَنَا الَّذِیۡ فَرِضَ اللّٰهُ طَـاعَتِـیۡ عَـلٰـی کُـلِّ ذِیۡ رُوۡحٍ مُتَنَفِّسٍ مِنۡ خَلۡقِ اللّٰهِ ؛ اَنَـا الَّذِیۡ اَنۡشَرُ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخـرِیۡـنَ اَنَـا قَـاتِـلُ الۡاَشۡـقِیَـاءِ بِسَـعۡیِ ذِی الۡفَقَارِ وَمُحۡرِقُهُمۡ بِالنَّارِ ؛ اَنَا الَّذِیۡ اَظۡهَـرَنِـیَ الـلّٰهُ عَلَی الدِّیۡنِ اَنَا الۡمُنۡتَقِمُ مِنَ الظَّالِمِیۡنَ اَنَا الَّذِیۡ اِلَیَّ دَعۡوَةُ الۡاُمَمِ اَنَـا الَّـذِیۡ لَـرُدُّ الۡـمُنَافِقِیۡنَ مِنۡ حَوۡضِ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ؛اَنَابَابٌ فَتَحَ اللّٰهُ مَنۡ دَخَلَهُ کَـانَ آمِـنـًا اَنَـا الَّـذِیۡ بِیَـدِهٖ مَفَاتِیۡحُ الۡجَنَانِ وَمَقَالِیۡدُ النَّیۡرَانِ ؛ اَنَا الَّذِیۡ جَهَدَ الۡجَبَابِرَةُ بِاِطۡفَاءِ نُوۡرِ اللّٰهِ وَاِدۡحَاضِ حُجَّتِهٖ فَیَابِیَ اللّٰهُ اِلَّا اَنۡ یُتِمَّ نُوۡرَهٗ وَوَلَایَتَهٗ اَعۡـطَـی الـلّٰـهُ نَبِیَّـهٗ نَهۡـرَ الۡـکَـوۡثَـرَ وَاعۡطَانِیۡ نَهۡرَ الۡحَیٰوةِ اَنَامَعَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الۡاَرۡضِ فَـعَـرَّ فِـنَی اللّٰهُ مَنۡ یَشَاءُ وَیَمۡنَعُنِیۡ مَنۡ یَشَاءُ ؛اَنَا قَائِمٌ فِیۡ خُضۡرٍ حَیۡثُ الۡاَرۡوَاحُ تَتَـحَـرَّکُ وَلَانَـفۡسٌ یَتَنَفَّسُ غَیۡرِیۡ ؛ اَنَا عَالِمٌ صَامِتٌ وَّمُحَمَّدٌ ﷺ عَلِمٌ نَـاطِـقٌ ؛اَنَـا صَـاحِـبُ الۡـقَـرۡنِ الۡاُوۡلٰـی اَنَـا حَـاوَرۡتُ مُوۡسٰی الۡکَلِیۡمُ وَاَغۡرَقۡتُ الۡـفِـرۡعَوۡنَ اَنَا عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ ؛ اَنَا آیَاتُ اللّٰهِ وَاَمِیۡنُ اللّٰهِ اَنَا اُحۡیِ وَاُمِیۡتُ اَنَا اَخۡلُقُ وَاَرۡزَقُ اَنَا لَسَّمِیۡعُ اَنَا اَلۡعَلِیۡمُ اَنَا الۡبَصِیۡرُ اَنَا الَّذِیۡ اَجُوۡزُالسَّمٰوٰتِ السَّبۡعَ وَالۡاَرۡضِیۡـنَ السَّبۡـعَ فِـیۡ طُـرۡفَةِ عَیۡـنٍ اَنَا الۡاَوَّلُ اَنَا الثَّانِیۡ ؛ اَنَا ذُوالۡقَرۡنَیۡنِ هٰذِهِ الۡاُمَّةِ ؛ اَنَـا الَّـذِیۡ اَنۡـفُـخُ فِی النَّاقُوۡرِیَوۡمٌ عَسِیۡرٌ عَلَی الۡکَافِرِیۡنَ غَیۡرَ یَسِیۡرٍ ؛ اَنَا الۡاِسۡمُ الۡاَعۡظَمُ وَهُوَ کٓهٰیٰعٓصٓ ؛ اَنَا الۡمُتَکَلِّمُ فِیۡ لِسَانِ صَبَاءِ عِیۡسٰیؑ اَنَا یُوۡسُفُ الـصِّدِّیۡـقُ اَنَـا الَّذِیۡ تَابَ اللّٰهُ لِیۡ اَنَا الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ فِیۡ آخِرِ الزَّمَانِ عِیۡسٰیؑ فِیۡ خَـلۡـفِیۡ اَنَا الۡمُنۡقَلِبُ فِی الصُّوۡرِ ؛ اَنَا الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰی اَنَا اُبۡدِءُ وَاُعِیۡدُ اَنَا فَرۡعٌ

مِنْ فُرُوْعِ زَيْتُوْن وَقِنْدِيْلٌ مِنْ قَنَادِيْلِ النُّبُوَّةِ ؛ اَنَا مُظْهِرُ الْاَشْيَاءِ كَيْفَ اَشَاءُ ؛ اَنَا الَّذِیْ اَرٰی اَعْمَالَ الْعِبَادِ لَايَعْزِبُ عَنِّیْ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ ؛ اَنَا مِصْبَاحُ الْهِدَايَةِ اَنَا مِشْكٰوةٌ فِيْهَا نُوْرُ الْمُصْطَفٰی اَنَا الَّذِیْ لَيْسَ شَیْءٍ مِنْ عَمَلِ عَامِلٍ اِلَّا بِمَعْرِفَتِیْ ؛ اَنَا خَازِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنَا قَايِمٌ بِالْقِسْطِ اَنَا عَالِمٌ بِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ وَحَدْثَانِهٖ اَنَا الَّذِیْ اَعْلَمُ عَدَدَ النَّمْلِ وَوَزْنَهَا وَمِقْدَارَ الْجِبَالِ وَوَزْنَهَا وَعَدَدَ قَطَرَاتِ الْاَمْطَارِ ؛ اَنَا آيَاتُ اللّٰهِ الْكُبْرٰی الَّتِیْ اَرٰهَا اللّٰهُ فِرْعَوْنَ وَعَصٰی ؛اَنَا الَّذِیْ اَقْبَلَ اِلَی الْقِبْلَتَيْنِ وَاُحْیٰ مَرَّتَيْنِ وَاُظْهِرُ الْاَشْيَاءَ كَيْفَ اَشَاءُ ؛ اَنَا الَّذِیْ رَمَيْتُ وَجْهَ الْكُفَّارِ كَفَّ تُرَابٍ فَرَجَعُوْا وَهَلَكُوْا اَنَا الَّذِیْ جَحَدَ وَلَايَتِیْ اَلْفُ اُمَّةٍ فَمَسَخَهُمْ ؛ اَنَا الَّذِیْ سَالِفُ الزَّمَانِ وَخَارِجٌ وَظَاهِرٌ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ ؛اَنَا قَاصِمُ فَرَاعِنَةِ الْاَوَّلِيْنَ وَمُخْرِجُهُمْ مُعَذِّبُهُمْ فِی الْاٰخِرِيْنَ اَنَا مُعَذِّبُ الْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ مُخْرِجُهُمْ مُعَذِّبُ يَغُوْثُ وَيَعُوْقُ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ؛ اَنَا مُتَكَلِّمٌ بِسَبْعِيْنَ لِسَانًا وَمُفْتِیْ كُلِّ شَیْءٍ عَلٰی سَبْعِيْنَ وَجْهًا اَنَا الَّذِیْ اَعْلَمُ مَايَحْدُثُ فِی اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَمْرًا بَعْدَ اَمْرٍ وَّشَيْاءً بَعْدَ شَیْءٍ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ ؛ اَنَا الَّذِیْ اَرٰی اَعْمَالَ الْخَلَائِقَ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا وَلَا يَخْفٰی عَلَّی شَیْءٌ مِنْهُمْ اَنَا الَّذِیْ عِنْدِیْ اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ اِسْمًا مِنَ الْعِظَامِ ؛ اَنَا الْكَعْبَةُ الْحَرَامُ وَالْبَيْتُ الْحَرَامُ وَالْبَيْتُ الْعَتِيْقُ اَنَا الَّذِیْ يُمْلِكُنِیَ اللّٰهُ شَرْقَ الْاَرْضِ وَغَرْبَهَا مِنْ طَرْفَةِ عَيْنٍ وَلَمْحِ الْبَصَرِ ؛ اَنَا مُحَمَّدُ الْمُصْطَفٰی اَنَا عَلِیٌّ الْمُرْتَضٰی كَمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلِیٌّ ظَهَرَ مِنِّیْ اَنَا الْمَمْدُوْحُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَنَا الْمَعْنٰی الَّذِیْ لَايَقَعُ عَلِیِّ

اِثْمٌ وَّشُبہٌ ؛ اَنَا اُظْہِرُ الْاَشْیَاءَ الْوُجُوْدِیَّۃِ کَیْفَ اَشَاءُ فِیْھَا ؛

میں وہ شخص ہوں کہ میرے پاس غیب کی کنجیاں ہیں کہ اُن کنجیوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ میں ہر چیز کی حقیقت سے خبردار اور آگاہ ہوں۔ میں وہ شخص ہوں جس کی شان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس شہرِ علم کا دروازہ ہیں''۔ ''میں ذوالقرنین ہوں جس کا ذکر کتب سماوی میں مذکور ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ میں ہوں حجر مکرم (بزرگ پتھر) جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے یعنی دوازدہ امامؑ کی امامت۔ میں ہوں وہ شخص جس کے پاس سلیمانؑ کی انگوٹھی موجود ہے یعنی میں تمام مخلوقات جن وانس وغیرہ میں متصرف اور حاکم ہوں۔ میں ہوں وہ شخص جو خلائق کے حساب کا متکفل اور ذمہ دار ہوں۔ میں لوح محفوظ ہوں کہ میرے ضمیر مہر تنویر میں تمام حقائق کونی والٰہی کی صورتیں ثابت اور قائم ہیں۔ میں لوگوں کے دلوں اور ظاہر و باطن کی آنکھوں کو خیر وشر کی طرف پھیرنے والا ہوں۔ اور ان کا مرجع اور بازگشت ہماری طرف ہے اور ان کا حساب ہم پر اور ہمارے ذمہ ہے۔ میں ہوں وہ شخص جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علیؑ صراط مستقیم تیرا ہی راستہ ہے اور موقف تیرا ہی موقف ہے یعنی جس چیز پر تو ثابت اور راسخ ہے اسی پر راسخ اور ثابت ہونا چاہئے یا کہ پل صراط تیرا صراط ہے اور تو اس کا صاحب ہے تو جس کو چاہے برق خاطف چمکنے والی بجلی کی طرح گزار دے جنّاتِ نعیم میں اس کو پہنچا دے اور جس کو چاہے اوندھے منہ درکات جہنم میں بھیجے۔ اور بعض کو عبور و مرور کی سختیوں اور رنج والام میں گرفتار کرے اس اخلاص اور مراتب اعتقاد کے تفاوت کے موافق جو تجھ سے رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح قیامت کے موقف تیرے موقف ہیں اور تجھ سے متعلق ہیں جس کو چاہے اپنی حمایت کے سایہ میں لے

کر وہاں کی سختی اور محنت اس پر آسان کر دے اور بعض کو ایام حساب کے (پچاس ہزار سال) گزارنے کے انتظار کی عقوبت اور عذاب میں مبتلا کرے''

میں ہوں وہ شخص جس کے پاس گزشتہ اور آئندہ کے موافق کتاب خدا کا علم ہے۔ میں ہوں آدمؑ اوّل۔ میں ہوں نوحؑ اوّل۔ میں ہوں ابراہیم خلیل اللہ جبکہ آگ میں ڈالا گیا میں ہوں مومنوں کا مونس اور غم گُسار۔ میں ہوں سببوں کا کھولنے والا اور سبب بنانے والا۔ میں ہوں بادلوں کا پیدا کرنے والا۔ میں ہوں درختوں کو پتے دینے والا ہوں اور ان کو سرسبز کرنے والا۔ میں ہوں چشمے نکالنے والا اور نہروں اور ندیوں کو جاری کرنے والا۔ میں ہوں زمینوں کو بچھانے والا اور آسمانوں کو بلند کرنیوالا۔ میں ہوں وہ شخص کہ میرے پاس فصل خطاب (یعنی وہ خطاب جو حق و باطل کو جدا جدا کر دے اور درست و غلط میں تمیز کر دے۔ یا ایسا کلام جو حقائق کو کھولنے اور معارف کو سمجھنے اور سمجھانے میں نہایت واضح اور ظاہر ہو) میں ہوں اہل بہشت پر بہشت کے درجات اور اہل جہنم پر جہنم کے درکات تقسیم کرنے والا۔ میں ہوں وحی خدا کی تفسیر و بیان میں صغائر و کبائر اور خطرات و شکوک سے عمداً و سہواً معصوم ہوں جس کی عصمت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میں ان لوگوں پر جو ملائکہ اور نفوس قدسی کی جنس سے آسمانوں میں ہیں اور طبقات زمین کے رہنے والے انس و جن اور ملائکہ ارضی وغیرہ پر خدا کی وحدانیت اور کمال قدرت کی حجت قاطع اور برہان ساطع ہوں۔ میں ہوں علم الٰہی کا خزانچی میں ہوں عدل و عدالت سے موصوف اور قائم۔ میں ہوں دابۃ الارض جو قیامت کے علامات اور نشانات میں سے ہے۔ میں ہوں وہ نفخہ اولیٰ جو زمین کو زور سے ہلانے والا اور جنبش میں لانے والا ہے اور میں رادفہ یعنی نفخہ دوم اور رادف اس لئے نام رکھا

گیا کہ پہلے کے بعد آنے والا ہے جو ردف سے لیا گیا اور راجفہ رجف سے بنا ہے جس کے معنی شدت تحریک ہیں'' میں ہوں صیحہ (چیخ) برحق جو کہ خلقت کے باہر نکلنے اور مشہود ہونے کے دن ہوگا وہ دن جس سے آسمان وزمین کی مخلوقات پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ہوں علیؑ ابن ابی طالبؑ جس کی آواز جنگوں میں بجلی کی آوازوں کی طرح ہے۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اوّل اپنی حجت پیدا کیا اور اس کے اطرف پر لکھا لَا اِلٰـــہَ اِلَّا الـلّٰـــہُ مُـحَـمَّدٌ رَسُوْلُ ؐ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ و وَصِیُّہٗ ،اور فرمایا،یعنی پھر عرش کو پیدا کیا اور اس کے چاروں ارکان پر کلمات مذکورہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ ؐ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ و وَصِیُّـــہٗ لکھا۔ نیز فرمایا آنحضرت کرم اللہ وجہہ نے پھر خدا نے طبقات زمین کو پیدا کیا اور اس کے اطراف و جوانب پر کلمات مذکورہ بالا تحریر فرمائے۔ نیز آنحضرت کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس کے بعد لوح کو پیدا کیا اور اسکے کناروں پر کلمات مذکورہ بالا قلم قدرت سے تحریر فرمائے۔

میں وہ ساعت ہوں کہ جو شخص اس کو جھٹلائے اور اس کا منکر ہو اس کے لئے دوزخ واجب ہے اور اس ساعت سے مراد روز قیامت ہے۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کسی قسم کا شک و ریب نہیں جس سے مراد قرآن مجید ہے۔ میں وہ خدا کے اسماء حسنیٰ ہوں جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو ان اسماء سے پکارا جائے۔ میں وہ نور ہوں جس سے موسیٰؑ نے روشنی طلب کی تو ہدایت پائی۔ میں دنیا کے محلوں اور عالم کی عمارتوں کو منہدم کرنے والا ہوں۔ میں مومنوں کو ان کی قبروں سے نکالنے والا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں جس کے پاس انبیاء علیھم السلام کی کتابوں میں سے ہزار کتابیں موجود ہیں۔ میں

ہوں وہ شخص جو دنیا کی ہر لغت وزبان میں کلام کرتا ہے۔ میں ہوں نوحؑ کا صاحب ورفیق اوراس کا نجات دینے والا اور میں ہوں ایوبؑ کا صاحب جو انواع واقسام کے رنج وبلا میں مبتلا تھا اوراس کو ان بلاؤں سے نجات دینے والا اوراس کو شفاء عطا کرنے والا اور میں ہوں یونسؑ کا صاحب اورنجات دہندہ۔" میں ہوں جس نے ساتوں آسمانوں کو اپنے نور اور خدا کی قدرت سے قائم کیا ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ میرے سبب سے ابراہیمؑ خلیل پروردگار عالمین پر اسلام لائے اوراس کی بزرگی اور فضل کا اقرار کیا'' موسیٰؑ کلیم اللہ کا عصاء میں ہوں اور میں اس کے ذریعے سے تمام مخلوق کی پیشانیوں کے بالوں کو پکڑنے والا ہوں اوران پر قابض اور متصرف ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے عالم ملکوت میں نظر کی پس اپنے سوا اور کوئی چیز نہ پائی اور وہ غیر بے شک غائب تھا'' میں وہ شخص ہو کے خلقت کے اعداد اور گنتی کو شمار کرتا اور معلوم کرتا ہوں اگر چہ وہ بہت ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو پہنچاؤں۔ میں وہ شخص ہوں کہ قول وکلام میرے پاس متغیر اور متبدل نہیں ہوتا اور میں بندگان خدا پر ظلم کرنیوالا نہیں ہوں۔ میں زمین میں خدا کا ولی ہوں اور امر خدا میرے سپرد کیا گیا ہے۔اور میں اس کے بندوں پر حکم کرتا ہوں جیسا کہ فرمایا ہے یا جیسا میں چاہتا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے ساتوں آسمانوں کو بلایا انہوں نے میرے حکم کو قبول کیا پس میں نے ان کو حکم دیا اور وہ قائم ہو گئے۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کو مبعوث کیا ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے سورج اور چاند کو بلایا اور ان سے اطاعت طلب کی پس انہوں نے میرا کہنا قبول کیا میں نے جملہ عوالم کو پیدا کیا ہے۔ میں زمینوں کو بچھانے والا اور تمام ولایتوں کے حالات سے خبردار ہوں۔ میں ہوں امر خدا اوراس کی روح چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ کہہ دو اے محمدؐ کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے۔ میں وہ شخص ہوں

کہ خدا تعالیٰ نے اس کے دشمنوں کے لئے فرمایا ہے کہ ''تم دونوں ہر کافر گردن کش کو دوزخ میں ڈالو۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے پہاڑوں کو زمین کی حفاظت کے لئے لنگر کیا ہے اور مخلوقات کی سکونت کے لئے میں نے زمینوں کو بچھایا ہے اور میں چشموں کو نکالنے والا ہوں اور کھیتوں کو اگانے والا اور درختوں کو بلند کرنے والا اور میووں کو نکالنے والا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں جو لوگوں کے کھانوں کا اندازہ کرتا ہوں اور میں بارش برساتا ہوں اور میں رعد اور برق کی آوازیں سنواتا ہوں۔ میں ہوں سورج کو روشن کرنے والا اور صبح نکالنے والا اور ستاروں کو پیدا کرنے والا اور کشتیوں کو سمندر میں چلانے والا۔ میں ہوں وہ شخص جو قیامت کو برپا کرے گا۔ اور میں وہ شخص ہوں کہ اگر مجھے موت دی جائے تو نہ مروں گا اور اگر میں قتل کیا جاؤں تو میں قتل نہ ہوں گا (اور درحقیقت) میں وہ شخص ہوں کہ ہر ساعت اور آن میں جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کو جانتا ہوں اور میں وہ شخص ہوں کہ ان چیزوں کو جو دلوں میں گزرتی ہیں جانتا ہوں اور آنکھوں کے جھپکنے کا حال مجھے معلوم ہے اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے اس کا مجھے علم ہے۔ میں مومنوں کی نماز اور انکی زکوٰۃ اور ان کا حج اور ان کا جہاد ہوں۔ میں وہ ناقور ہوں جس کا ذکر حق تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے وہ جب صور پھونکا جائیگا اور نشر اول یعنی اول قبر سے اُٹھانے اور برانگیختہ کرنے کا حساب میں ہوں اور یہ زندہ کرنے سے کنایہ ہے اور اسی طرح نشر آخر یعنی عرصات کی طرف زمین کے اٹھانے کا صاحب میں ہوں اور میں وہ پہلا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا'' اور میںؐ اور علیؑ ایک نور سے ہیں''۔ میں ہوں صاحب کواکب اور دولت کا دور کرنے والا میں ہوں صاحب زلزلہ اور راجفہ اور میں ہوں صاحب مقاصد و مطالب اور صاحب بلایا اور وہ کلام جو حق و باطل میں فرق کردیتا ہے۔ میں اس ارم کا صاحب ہوں اور مالک ہوں جو بڑے عمودوں اور

ستونوں والا ہوں ایسا ارم کہ جس کی مثل کسی شہر میں پیدا نہیں ہوا اور میں اسکے اتارنے والا ہوں جو نفیس جواہرات وغیرہ اس ارم میں ہیں۔ان کو بذل اور خرچ کرنیوالا میں ہوں۔میں وہ شخص ہوں کہ میں نے ذوالفقار کی سعی اور کوشش سے پہلے سرکشوں اور جباروں کو ہلاک کیا ہے۔میں وہ شخص ہوں کہ میں نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا جو اس نے تیار کی تھی میں وہ شخص ہوں کہ جس نے ابراہیمؑ کو آگ سے نجات دی تھی اور عالمِ غربت میں اس کا مونس رہا۔ میں ہوں جو کنویں میں یوسفؑ کا مونس رہا اور اس کو کنویں سے نکالا تھا موسیٰؑ اور خضرؑ کا صاحب اور ان کو تعلیم دینے والا ہوں جس نے اسرار الہیٰ کے غوامض اور حکمتوں کی ان کو تعلیم دی تھی۔ملکوت اور عالم کون کے پیدا کرنے کا باعث اور سبب میں ہوں یا ان دونوں کا پیدا کرنے والا میں ہوں۔میں نقصانوں سے مبرہ ومنزّہ ہوں میں رحموں میں بچوں کو صورت دینے والا ہوں۔میں وہ شخص ہوں کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کرتا ہوں اور برص کے مرض کو دور کرتا ہوں اور جو کچھ دلوں میں ہے اس سے واقف ہوں اور میں وہ شخص ہوں کہ تم کو اس چیز سے آگاہ وخبردار کرتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔میں وہ بعوضہ ہوں جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے کہ خدا حیا نہیں کرتا اس بات سے کہ وہ مثل بیان کرے مچھر کی یا اُس سے بڑی چیز کی۔یعنی میں اللہ کی قدرت کی ایک آیت ہوں۔میں وہ شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ظلمت اور تاریکی میں میری اطاعت اور فرمانبرداری کی یعنی اس وقت میں میری درخواست اور التماس کو قبول کیا۔ میں ہوں وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے میری حقیقت کو قائم کیا اور مہیا کیا جبکہ تمام مخلوقات ظلمت اور نیستی کے بھنور میں گرفتار تھی اور اس مخلوق کو میری اطاعت کی طرف دعوت دی پس جب وہ ظلمت روشن اور ظاہر ہوگئی اور وہ مخلوق عالم وجود میں آگئی انہوں نے میری اطاعت اور

فرمانبرداری سے انکار کر دیا چنانچہ حق تعالی خود اپنے کلام پاک میں اس طرف اشارہ فرماتا ہے کہ جس وقت وہ ان کے پاس آیا انہوں نے اس کی قدر و منزلت نہ پہچانی اور اس کے منکر و کافر ہو گئے۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ میں وہ شخص ہوں جو اپنی اولاد کے نیکوکاروں کیساتھ عرش خدا کا اٹھانے والا ہوں اور میں وہ شخص ہوں جو علم لوائے حمد کا اٹھانے والا ہوں میں وہ شخص ہوں جو معانی قرآن اور کتب گزشتہ کی تاویل سے خوب واقف ہے میں علم میں راسخ کیا گیا ہوں۔ میں آسمانوں اور زمینوں میں وجہ اللہ ہوں جس کے سوا ہر چیز ہلاک اور فنا ہونے والی ہے میں ہوں جبت اور طاغوت کا صاحب اور ان کو ہلاک کرنے والا جو مشرکوں کے بت اور معبود ہیں۔ میں وہ باب اللہ خدا کا دروازہ ہوں جس کا ذکر قرآن میں یوں ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے سرکشی کی اور تکبر اختیار کیا ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ بہشت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے اور یہ بات محال عادی ہے پس ان کا بہشت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ میں وہ شخص ہوں کہ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ نے میری خدمت کی ہے میں وہ شخص ہوں کہ میرے لئے آفتاب کو دو دفعہ لوٹایا گیا یعنی واپس لایا گیا۔ میں وہ شخص ہوں کہ اللہ نے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو میری اطاعت کے لئے خاص کیا ہے۔ میں ہوں صاحب طور اور وہ ایک مشہور پہاڑ ہے جو مدائن میں واقع ہے اور میں ہوں کتاب مسطور یعنی قرآن یا لوح محفوظ کا صاحب اور میں ہوں بیت معمور اور وہ ایک مکان ہے آسمان میں کعبہ کے مقابل واقع ہے اور اس کی عمارتیں اس کے زیارت اور طواف کرنے والوں کی تعداد کے موافق ہیں اور اخبار میں وارد ہوا ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار

فرشتے طواف کے واسطے داخل ہوتے ہیں اوران کوطواف کی نوبت نہیں آتی یا بیت المعمور سے خانہ کعبہ مراد ہے جو حاجیوں اور زائرین سے بھرا ہوا ہے جیسا کہ مدارک میں مرقوم ہے۔ میں ہی وہ حرث ونسل ہوں جس کوتباہ و برباد کیا گیا اور میں وہ شخص ہوں کہ خدا تعالیٰ نے میری اطاعت اپنی مخلوق میں سے ہر ذی روح اور ہر متنفس پر فرض کی ہے۔ میں وہ شخص ہوں جو اولین اور آخرین مخلوق کونشر اور برانگیختہ کرے گا میں ذوالفقار کی کوششوں سے بد بختوں اور بدکاروں کوقتل کرنے والا ہوں اوران کے خرمن حیات کوآتش غضب سے جلانے والا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ مجھ کوحق تعالیٰ نے دین پر غالب کیا ہے اور میں ظالموں سے بدلا لینے والا ہوں میں ہی وہ شخص ہوں کہ جس کی طرف تمام امتوں کودعوت دی گئی ہے اور میں وہ شخص ہوں کہ منافقوں کورسوؐل اللہ کے حوض سے رد کروں گا۔ میں وہ دروازہ ہوں جس کو خدا نے کھولا ہے جو کوئی اس دروازہ میں داخل ہوگا دونوں جہانوں کی ہرقسم کی مکروھات سے محفوظ اور امن میں رہے گا میں وہ شخص ہوں کہ بہشت اور دوزخ کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں ہیں۔ میں وہ شخص ہوں کہ جباروں نے نور خدا کو بجھانے اوراس کی حجت کو باطل کرنے کی کوشش کی پس اللہ تعالیٰ نے انکار کیا مگر یہ کہ اس کی ولایت اوراس کا نور کامل ہو خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو دریائے کوثر دیا اور مجھ کو دریائے حیات عطا کیا۔ میں زمین میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ ہوں پس جس کو نہ چاہا میرا اشنا سا اور عارف نہ بنایا۔ میں وہ شخص ہوں کہ ملکوت کی سبزی میں کھڑا ہوں روحیں تو حرکت کرتی ہیں مگر وہاں میرے سوا کوئی سانس لینے والا نہیں ہے۔ میں خاموش عالم ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بولنے والے عالم ہیں۔ میں ہوں قرن اولیٰ کا صاحب کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''خیر القران قرَنیِ'' سب قرنوں سے بہتر میرا قرن ہے۔ میں نے ہی موسیٰؑ سے مکالمہ اور

باتیں کی ہیں اور میں نے فرعون کو غرق کیا ہے اور یوم ظلہ کا عذاب میں ہوں جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا۔ میں ہوں رحمت خدا کی آیات اور خدا کا راز دار اور میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں میں پیدا کرتا ہوں اور رزق دیتا ہوں میں ہوں سننے والا میں ہوں دانا میں ہوں بینا ظاہر اور باطن اشیاء کا میں ہوں وہ شخص جو ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقوں کی ایک چشم زدن میں سیر کرتا ہوں اور میں ہوں اول یعنی نفخہ اولیٰ اور میں ہوں ثانی یعنی نفخہ ثانیہ۔ میں اس امت کا ذوالقرنین ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ صور پھونکوں گا اس روز جو کہ کافروں پر بہت سخت ہے اور جس میں بالکل آسانی کا احتمال نہیں ہے۔ میں ہوں اسم اعظم کہ وہ کھیعص ہے۔ میں ہوں وہ شخص کہ عیسیٰؑ کی بچپن کی زبان میں گویا ہوا اور میں ہوں یوسفؑ صدیق۔ وہ شخص جس کی توبہ اللہ نے میرے لئے قبول کی میں وہ شخص ہوں کہ آخری زمانہ میں عیسیٰؑ میرے پیچھے نماز پڑھیں گے میں مختلف صورتوں میں پلٹنے والا ہوں۔ میں ہوں آخرت اور اولیٰ یعنی دنیا و آخرت۔ میں ہوں چیزوں کا پیدا کرنیوالا اور ان کو ظاہر کرنے والا میں ہوں ان کا اعادہ کرنے والا۔ اور ان کا حشر کرنے والا۔ میں زیتون کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہوں جس کی قسم خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھائی ہے والتین والزیتون اور میں نبوت کی قندیلوں میں سے ایک قندیل ہوں کہ شمع رسالت کو آفات و ہواؤں سے محفوظ رکھتا ہوں۔ میں ہوں چیزوں کا ظاہر کرنے والا اور موجودات کا پید اکرنیوالا جسطرح چاہوں۔ میں ہوں وہ شخص کہ بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہوں مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین نہ آسمانوں میں۔ میں ہوں چراغ ہدایت میں ہوں وہ مشکوٰۃ (چراغ دان) جس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کا نور ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ کسی عمل کرنے والے کا عمل میری معرفت کے بغیر معتبر نہیں اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ میں ہوں

آسمانوں اور زمین کا خزانچی کہ سب میری قدرت کے تصرف میں ہے۔ میں ہوں عدل کا قائم کرنے والا میں زمانے کے ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونے اور اس کے حوادث سے خبردار اور آگاہ ہوں میں ہوں وہ شخص کہ چیونٹیوں کی تعداد اور ان کے وزن سے اور پہاڑوں کی مقدار اور ان کے وزن سے اور بارش کے قطروں کی تعداد سے واقف ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی وہ بڑی آیات ہوں جو اس نے فرعون کو دکھائی تھیں اور فرعون نے عصیان اور نافرمانی کی تھی۔ میں ہوں وہ شخص جس نے دو قبلوں کی طرف منہ کیا یعنی کعبہ اور بیت المقدس اور میں دو دفعہ زندہ کرتا ہوں اور میں وہ شخص ہوں کہ چیزوں کو جس طرح چاہتا ہوں ظاہر کرتا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ میں نے کفار کے منہ پر خاک کی مٹھی ڈالی پس وہ واپس ہوئے اور ہلاک ہوگئے اور میں ہوں وہ شخص کہ پہلی امتوں میں سے ایک ہزار امتوں نے میری ولایت کا انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا۔ میں وہ شخص ہوں کہ زمانے کے پہلے سے ہے اور خروج کرنے والا ہوں اور آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہوں۔ میں پہلے مشرکوں (فراعنہ) کی گردنیں توڑنے والا اور ان کی سلطنت سے ان کو نکالنے والا اور قیامت صغریٰ میں عذاب دینے والا ہوں جبت اور طاغوت کو سزا دینے والا اور ان کو خانہ کعبہ سے نکالنے والا اور میں یغوث۔ یعوق اور نسر کو جو مشرکوں کے بت ہیں عذاب دینے والا ہوں۔ میں ہوں ستر زبانوں میں بولنے والا اور ہر چیز کا ستر طریقوں سے فتویٰ دینے والا۔ میں ہوں وہ شخص کہ جانتا ہوں ہر چیز کو جو رات میں اور دن میں ایک چیز کے بعد پیدا ہوتی اور ظاہر ہوتی ہے اور یہ تمام امور سے کنایہ ہے یعنی میں ہر ایک امر کو جو قیامت تک واقع ہوگا جانتا ہوں۔ میں وہ شخص ہوں کہ مشرقوں اور مغربوں میں مخلوقات کے عملوں کو دیکھتا ہوں اور ان کی کوئی چیز مجھ پر پوشیدہ نہیں ہے'' میں وہ شخص ہوں کہ میرے پاس اسمائے

اعظم الٰہی سے بہتر اسم ہیں میں ہوں کعبۃ الحرام اور بیت الحرام اور بیت العتیق کہ تینوں نام کعبہ شریف کے ہیں اور میں وہ شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ایک چشم زدن میں مشرق ومغرب یعنی تمام روئے زمین کا مالک کردے گا۔ میں ہوں محمدؐ مصطفیٰ میں ہوں علیؑ المرتضیٰ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علیؐ مجھ سے ظاہر ہوا میں وہ شخص ہوں کہ روح القدس سے میری مدح کی گئی ہے میں وہ ہوں کہ صاحب فراست کا کوئی گناہ اور اشتباہ مجھ پر واقع نہیں ہوا ہے۔ میں وہ شخص ہوں کہ اشیائے وجودیہ کو جس طرح چاہتا ہوں ظاہر کرتا ہوں۔''

خطبۃ البیان یہاں پیش کیا گیا ہے۔ جس کا ہر جملہ شرک کی بنیادوں کو مسمار کرتا ہے اور توحید خداوندی کو واضح کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ امناء خداوندی کس طرح اللہ کے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ یہ مذکورہ تمام افعال حادث ہیں ان میں جو افعال یا صفات مذکور ہیں وہ اللہ کی ذات میں شریک نہیں ہیں۔ اللہ تو ایک ذات ہے جس سے نہ کچھ خارج ہوتا ہے نہ اس میں داخل وشریک ہوتا ہے اس کے احکام اور اس کے افعال کا امین اس کی مشیت کا ظرف (مخلوق اوّل) نور اوّل ہے۔ جس کے اجزاء میں سے حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہما السلام ہیں اور یہی ولایت مطلقہ ہے۔

صلوٰۃ المومنین

مومنین یا صاحب ایمان وہ ہیں جو علی علیہ السلام یا محمد وآل محمد علیہم السلام کو نماز وجودی اور زکوٰۃ وجودی (یا شرک وکفر ومنافقت سے پاک کرنے والا وجود) حج وجودی جہاد وجودی یعنی ایمان مجسم یا ایمان وجودی اور دین مجسم یا دین وجودی سمجھتے ہیں یعنی حقیقی دین محمدؐ وآل محمدؐ کو مانتے ہیں۔

قرآن شرک کی مثالیں قدم قدم پر دیتا ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا O (4/81)

''اور تمہارے سامنے تو فرمانبرداری کے نعرے مارتے رہتے ہیں مگر جب تمہارے سامنے سے چلے جاتے ہیں تو ان میں کا ایک گروہ رات کو خفیہ ساز باز کرتا ہے اور تمہاری ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اللہ تو ان کی سازش کو لکھتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر اللہ کے ریکارڈ پر اعتماد رکھیں اور اللہ تو وکالت کے لئے کافی ہے''

ذرا توجہ دیں کہ اللہ جسم وجسمانیات سے منزّہ ہے اور لکھنے کے لئے ہاتھ، آنکھیں، قلم، دوات، کاغذ یا تختی وغیرہ لوازمات میں سے ہیں۔ جو مخلوق کے لئے تو روا ہیں بشرطیکہ وہ مخلوق لکھی پڑھی ہو۔ اگر ہم یہاں اللہ کے لکھنے کا انکار کریں تو قرآن کو جھٹلانے کا جرم کرتے ہیں جو ہمیں منکر قرآن بنادے گا اور اگر لکھنے کے فعل کا اقرار کریں تو اللہ کو مجسم ماننے کا شرک کریں گے۔ ساتھ ہی کاتب کی طرح حرکت کرنے اور کاتب کے تمام افعال میں شریک ماننا وغیرہ لازم آئے گا۔ لہٰذا ہمیں توحید کو برقرار رکھنے کے لئے ماننا بھی ہوگا اور ساتھ انکار کر کے اللہ کے بتائے ہوئے امین کا اقرار کرنا ہوگا۔ وہ خواہ نورؐ اوّل ہو یا نور اوّل کے اجزاؑ ہوں یا ملائکہ ہوں۔ یوں ہم انکار واقرار سے محفوظ ایماندار رہیں گے۔

انکار و شرک کی دوسری مثال اور امام مبین علیہ السلام۔

اللہ نے جگہ جگہ کفر وشرک کی مثالیں دی ہیں اور علما برابر نظر انداز کرتے گزرتے چلے گئے

ہیں۔ملاحظہ ہو:

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ O(36/12)

''بلاشبہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں اور کرتے جارہے ہیں وہ سب ہم لکھتے جارہے ہیں۔اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کررہے ہیں اور ہم نے ہر ہر چیز کو بولنے والے امامؑ میں سمودیا ہے''

اس آیت میں اللہ نے اپنی ذاتِ خاص کو ملوث نہیں ہونے دیا ہے۔ بلکہ اپنے ساتھ ایک جماعتؑ کو برسرکار دکھایا ہے جو کہ مردوں کو زندہ کرتی ہے یا کرے گی۔ پھر وہ جماعت وہ سب کچھ لکھتی ہے جو انسان کررہے ہیں یا بطور آثار چھوڑ رہے ہیں۔اور وہ جماعت کسی بولنے چالنے والے امامؑ میں تمام متعلقہ کام اور علوم لاکر جمع کررہی ہے۔

یہاں ہم نے جمع کے صیغے کو واضح کرکے آیت کا پورا بار اللہ کے قائم کردہ ادارہ نبوّت وامامتؑ پر ڈال دیا ہے اور اس طرح خود کو شرک اور کفر وانکار سے بچالیا ہے اور اللہ کا مقصد پورا کردیا ہے اگر یہ احتیاط نہ کی جائے گی تو ہم شرک وکفر وانکار میں لپٹے ہوئے نظر آئیں گے۔

علامہ مودودی کا ترجمہ اور تماشہ دیکھئے۔

ترجمہ:''ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو کچھ افعال انہوں نے کئے ہیں وہ سب ہم لکھتے جارہے ہیں اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کررہے ہیں۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کررکھا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 248)اس ترجمہ میں چار مرتبہ لفظ ''ہم'' لکھ کر کئی ایک اللہ مان لئے۔

اب علامہ کی تشریح سنئیے ”9۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نامۂ اعمال تین قسم کے اندراجات پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ ہر شخص جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے۔ دوسرے اپنے گردوپیش کی اشیاء اور خود اپنے جسم کے اعضا پر جو نقوش (Impressions) بھی انسان مرتسم کرتا ہے وہ سب کے سب ثبت ہو جاتے ہیں اور یہ سارے نقوش ایک وقت اس طرح ابھر آئیں گے کہ اس کی اپنی آواز سنی جائے گی ،اس کے اپنے خیالات اور نیتوں اور ارادوں کی پوری داستان اس کی لوح ذہن پر لکھی نظر آئے گی اور اس کے ایک ایک اچھے اور برے فعل اور اس کی تمام حرکات وسکنات کی تصویریں سامنے آجائیں گی ۔ تیسرے اپنے مرنے کے بعد اپنی آئندہ نسل پر، اپنے معاشرے پر اور پوری انسانیت پر اپنے اچھے اور برے اعمال کے جو اثرات وہ چھوڑ گیا ہے۔وہ جس وقت تک اور جہاں جہاں تک کارفرما رہیں گے۔وہ سب اس کے حساب میں لکھے جاتے رہیں گے ۔ اپنی اولاد کو جو بھی اچھی یا بری تربیت اس نے دی ہے۔ اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا برائیاں بھی اس نے پھیلائی ہیں ،اور انسانیت کے حق میں جو پھول یا کانٹے بھی وہ بو گیا ہے ان سب کا پورا پورا ریکارڈ اس وقت تک تیار کیا جاتا رہے گا جب تک اس کی لگائی ہوئی یہ فصل دنیا میں اچھے یا بُرے پھل لاتی رہے گی“

(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 248)

یہ بڑا طویل اور بہت رنگین اقتباس ہے اور مودودی نے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ ریکارڈ کون تیار کرے گا؟ اس لئے کہ اس کے نزدیک یہ سب کچھ اللہ بذات خود کرے گا۔ لہٰذا مودودی پکے مشرک ثابت ہو جاتے ہیں ۔ پھر یہ نہیں بتایا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جن کو اس کے اعمال سے نقصان ہوا ہو یا فائدہ پہنچا ہو؟ اور اللہ نے ان

لوگوں کے فائدے یا نقصان پر کیا تدارک کیا تھا؟ جو کئی نسلوں میں پھیلے ہوئے انسان تھے؟ اور جس نے ان کے نقصان یا فائدے کا انتظام کیا تھا اسے وہ نہ جانتے تھے اور قیامت کے دن تک وہ لوگ نقصان یا فائدہ اٹھا کر مدت ہوئی مر چکے تھے اور وہ زحمتیں اُٹھا چکے تھے جو نقصان نے ان کو پہنچائیں اور وہ راحتیں سمیٹ چکے تھے جو اس کے فائدے نے عطا کی تھیں۔ اب بطور فلم دکھا کر انہیں کیا فائدہ یا نقصان ہوگا اور اس شخص کو کب اور کیسے یہ موقع دیا جائے گا کہ متعلقہ اشخاص سے تدارک مافات کر سکے؟ جنت یا جہنم میں بھیجنا تو تینوں فریق میں انصاف وعدل کا سلوک نہ کر سکے گا؟ رجعت میں یہ سلسلہ درکار ہے اور یہی رجعت ہی ہے جس کا تذکرہ طاغوت کو ناگوار گزرتا ہے (تفصیلات کے لئے بیان الامامۃ خطبہ نمبر 28، زمانہ رجعت وقیامت'' ملاحظہ فرمائیں)

یہاں بوعلی زیدی نے مندرجہ بالا آیت (36/12) پر لکھا ہے کہ: ''یہاں مردے کو زندہ کرنا اور لکھنا اللہ تعالیٰ نے خود سے منسوب کیا ہے۔ جب کہ یہ افعال اس کے امین کے ہیں جیسے لکھنا'' (صفحہ 85)

یعنی نہ بوعلی زیدی صاحب کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے لئے جمع کا صیغہ بول کر سارا معاملہ ہی اپنے ادارۂ نبوتؐ وامامتؑ کے ذمہ لگا دیا ہے۔ نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ ''امام مبین'' میں لفظ مبین کے مصدری معنی کیا ہیں؟ بہر حال زیدی صاحب عقاید ٹھیک لکھ رہے ہیں۔ مگر ؎ بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ + کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

پھر بوعلی زیدی صاحب نے الفاظ نور اوّل۔ مخلوق اوّل۔ افعال کے امین کو اس قدر بار بار دہرایا ہے کہ ایک سلیم الطبع شخص الفاظ سے متنفر ہو کر رہ جائے گا۔ اور زبان وہ استعمال کی ہے کہ ہر لفظ پر دل اکتانے لگتا ہے۔ مثلاً لکھا ہے کہ:

''پس یحیی ویمیت بھی مشیت الٰہی افعال الٰہی کے امین نور اوّل کے حاملین محمدؐ وآل محمدؐ علیہم السلام ہیں جو مشیت الٰہی پر کام کرتے ہیں اوران کے افعال اللہ کے افعال کہلاتے ہیں'' (صفحہ 85) سہل زبان کی مثال:

مردوں کو زندہ کرنے والے ادارہ کا اتا پتا۔

مردوں کو زندہ کرنے کا کام:۔وَأُحۡيِ الۡمَوۡتٰى بِإِذۡنِ اللّٰهِ (3/49)

''میں خدا کی اجازت سے مردوں کو زندہ کردیتا ہوں''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا ہے کہ اللہ نے مجھے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت واجازت دے رکھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ قدرت واختیار اللہ نے نہ صرف دے رکھا تھا بلکہ قرآن کریم کی روسے انہوں نے مجمع عام میں مردے زندہ کرکے دکھائے۔کوڑھیوں کو تندرست کیا، بیماروں کو تندرستی عطا، کی اندھوں کو بینائی عطا کی، آسیب زدہ لوگوں کو پاک کیا۔اوران معجزات کی دھوم مچادی تھی۔اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ انسانوں کو جو بھی قدرت واختیارات دیئے گئے ہیں وہ اللہ ہی نے عطا کئے ہیں کوئی مخلوق ذاتی طور پر قدرت واختیار کی مالک نہیں ہے۔بامذہب ولامذہب سب کا عقیدہ یہی رہا ہے۔یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اس قرآن کی روسے کسی فرشتے کو زندگی عطا کرنے کی نہ قدرت ہے نہ اختیار دیا گیا ہے۔

اب یہ نوٹ فرمائیں کہ اللہ نے سب سے پہلے اپنی مشیت کو پیدا کیا اوروہ نور اوّل یا نور محمدیؐ ہے۔پھر مشیت سے ارادہ کو پیدا کیا ہے اوروہ بھی نور محمدیؐ ہے اوراللہ نے اپنے ارادہ سے امر یا اذن کو پیدا کیا تھا اوروہ بھی نور محمدیؐ ہے۔لہٰذا جو خود نور اوّل ہو۔

مشیت اللہ ہو۔ ارادۃ اللہ ہو۔ اور اذن اللہ ہو وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اذن دے گا۔ قدرت واختیارات دے گا۔ اذن تو فعل ہے۔ جو اللہ سے سرزد نہیں ہوسکتا ہے۔ مشیتؑ اللہ اور نورؐ اوّل سے جاری ہوگا۔ وہی تمام انبیاءؑ ورسلؑ کو اور ادارہ نبوتؐ وامامت کو، ملائکہ کو اختیارات دے گا مبعوث کرے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سادہ زبان میں محمدؐ وآل محمد علیہم السلام ہی وہ ہستیاں ہیں جو تمام انبیاءؑ ورسلؑ کو مبعوث کریں گی ملائکہ اور انبیاءؑ ورسلؑ کو اختیارات وحکم دیں گی۔

تخلیق بھی فعل ہے اور فعل مخلوق سے سرزد ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اذن خداوندی سے تخلیق کو خود سے منسوب کرتے ہیں تخلیق کر کے دکھاتے ہیں۔ سنئے:

أَنِّیٓ أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْراً بِإِذْنِ اللّٰهِ .

''میں تمہارے لئے گندھی ہوئی مٹی سے پرندے کی سی شکل بناؤں گا اور پھر میں اس میں پھونک ماروں گا وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن کر اڑ جائے گا۔(3/49)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حجۃ اللہ ہیں اور نور محمدیؐ نے ان کو مبعوث کیا ہے اور یہ قدرت واختیار اور اجازت دی ہے اور وہ فعل تخلیق کو اپنی ذات سے منسوب کرتے ہیں اسی اصول اور قاعدے کی رو سے حضرت علی علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو خمیر کرنا اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت علیؑ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ فرماتا ہے۔

قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَیَّ ..(38/75)

''اللہ نے پوچھا کہ اے ابلیس تجھے کس چیز نے منع کیا کہ اس کو سجدہ نہ کرے جسے میں نے

اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے؟''

ظاہر اور معلوم ہے کہ اللہ اعضاء اور جوارح سے پاک اور بے نیاز ہے مگر پھر بھی تخلیق آدمؑ کو اپنے ہاتھوں کی تخلیق قرار دیتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے زمانے میں ملائکہ کو اطلاع دی گئی تھی کہ:

تخلیق آدمؑ میں ملائکہ شامل نہ تھے۔

اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ○ (15/28-29)

میں ایک بشر بنانے والا ہوں چنانچہ جیسے ہی میں اسے سنوار لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گرے ہوئے ملنا''

مطلب یہ ہوا کہ ملائکہ کو تخلیق آدمؑ میں وسیلہ نہیں بنایا گیا تھا۔ تو اللہ نے کس مخلوق کو وسیلہ بنایا اور کس مخلوق کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ فرمایا تھا؟ وہ یقیناً حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ تھے اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آدمؑ کو سنوارنے کا کام اور روح پھونکنے کا کام بھی اللہ نہیں کرسکتا لہٰذا یہ دونوں کام بھی حضرت علی علیہ السلام نے کیئے تھے اور روح کا پھونکنا بھی اور خود روح بھی ان ہی حضرتؐ سے متعلق ہے۔ اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے نہ کچھ داخل ہوسکتا ہے۔ نہ خارج ہوسکتا ہے محمد وآل محمد علیہم السلام ہی وہ اولین مخلوق ہیں جن کو وسیلہ تخلیق بنانے کے لئے اللہ نے وہ تمام علم وقدرت واختیارات عطا کئے تھے جو تخلیق کائنات میں جگہ جگہ اور ہر جگہ استعمال ہوسکیں لہٰذا ہر ایسا فعل جو توحید خداوندی میں نقص پیدا کرے وہ ادارہ نبوتؐ وامامتؑ کا فعل ہوتا ہے۔

اللہ صرف خالق نہیں ہے بلکہ احسن الخالقین ہے۔

یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ عدم سے وجود میں لانے والا تو صرف اللہ ہی ہے مگر اللہ کے بنائے ہوئے سامان کی مدد سے تخلیق کرنے والی ہستیاں اور بھی ہیں۔اوراسی لئے اللہ نے خود کو احسن الخالقین فرمایا ہے۔

فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِینَ(23/14)(37/125)

''بہت برکت والی ہے وہ ہستی جو تمام خالقوں سے بہتر خالق ہے''

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی خالقین میں داخل ہیں اور اللہ نے خود کو خیر الرازقین بھی فرمایا ہے جیسا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ(22/58)(23/72)(34/39)

''یقیناً اللہ تو ضرور تمام رزق دینے والوں سے اچھا رزق دینے والا ہے''

اس صورت میں محمد وآل محمد علیہم السلام اللہ کی طرف سے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والے اور انہیں ان کی ضروریات زندگی فراہم کرنے والے بھی ماننا پڑتے ہیں۔ اس لئے کہ تخلیق کائنات کے وقت اور کوئی مخلوق موجود نہ تھی جس کو تخلیق میں واسطہ ووسیلہ بنایا جاتا۔لہٰذا نور اوّل اور مشیت اللہ ہی اللہ کے افعال کے امین اور وسیلہ ہیں۔لہٰذا بعد کے تمام خالق حضرت عیسیٰ وغیرہ محدود خالق تھے۔اور تخلیق میں ہمہ گیر پوزیشن محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم ہی کی ہے۔یہ حقیقت بار بار واضح ہو چکی ہے کہ الفاظ وصفات سب مخلوق ہیں لہٰذا الفاظ اور صفات کی حدود میں اللہ نہیں آ سکتا۔الفاظ تو نور اوّل کی حدود بھی متعین نہیں کر سکتے۔جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ: وَلَوۡاَنَّ مَا فِی الۡأَرۡضِ مِن شَجَرَۃٍ أَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ یَمُدُّہُ مِنۡ

بَعْدِهٖ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O(31/27)

''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر دوات بن جائے جسے سات سمندر روشنائی فراہم کریں تب بھی اللہ کے کلمات لکھنے سے ختم نہ ہوں گے بے شک اللہ زبردست حکیم ہے''۔

یادرہے کہ کلمات اللہ کی ذات کا غیر ہیں جو اس کی نمائندگی کرتے ہیں یا اس کے افعال کے امین ہیں۔جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کَلِمَتُہٗ اس کا کلمہ فرمایا گیا ہے۔ یہاں درحقیقت کلمات سے مراد نور اوّل یا نور محمدیؐ ہے۔ لہٰذا تفسیر مراۃ الانوار صفحہ 195 اور تفسیر برہان صفحہ 977، صفحہ 823 اور بحارالانوار جلد 7 صفحہ 126 اور حیات القلوب جلد 2 صفحہ 208 پر امام رضا علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم ہی اللہ کے وہ کلمات ہیں کہ ہمارے فضائل کا نہ ادراک ہوسکتا ہے نہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا جب مخلوق الفاظ میں مخلوق اوّل یا نور اوّل یا محمدؐی نور کا ادراک نہیں کیا جاسکتا تو نور محمدیؐ کے خالق کو اپنے بیان کے احاطے میں کیسے لایا جاسکتا ہے؟

لہٰذا ضروری ہے کہ نور محمدؐی کے ذریعہ اور وسیلے سے اللہ کو تسلیم کرلیا جائے اور شرک سے بچنے کیلئے تشبیہ سے گریز کیا جائے اور ہر صفتِ اَحسن کو اور ہر عمدہ فعل کو افعال خداوندی کے امین کے حق میں مانا جائے تاکہ اللہ حدبندی اور نقائص سے الگ تسلیم کیا جاسکے۔ ورنہ ہر پہلو سے شرک ہی شرک سرزد ہوگا چنانچہ رازق اور ہر اُس صفت کو اور ہر فعل کو یا ہر اسم کو جو اللہ کیلئے بیان ہوتا ہے نور محمدیؐ کے حق میں تجویز کیا جائے۔ چنانچہ قول معصوم انتہائی حدیہ بتاتا ہے کہ :

نور اوّل کو معبود نہ بناؤ پھر جو چاہے تعریف کرتے رہو۔

لاتتجاوزوا بنا العبودية ثم قولوا في فضلنا ماشئتم فلن تبلغوا ''ہمیں معبود نہ بناؤ پھر ہمارے فضائل میں جو چاہو کہو تم ہرگز ہماری مدح کی حد تک نہ پہنچ سکو گے'' بحارالانوار جلد 25 صفحہ 274، احتجاج طبرسی جلد 2 صفحہ 233 ،فرمان امام جعفر صادق اور امام رضا و امام حسن عسکری و امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام۔

محمدؐ و آل محمدؐ سے کسی صفت کا انکار کرنا شرک خداوندی ہے۔

ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام (نوراوّل مخلوق اوّل) سے کسی بھی صفت حسنہ کا انکار نہ کیا جائے۔ ورنہ جس صفت کا انکار کیا جائے گا اس صفت کو اللہ کی ذات میں شریک وشامل ماننا پڑے گا۔اور یہی واضح اور کھلا ہوا شرک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو ایک ایسی ذات ہے۔جس میں نہ کچھ داخل ہوسکتا ہے نہ کچھ خارج ہوتا ہے نہ اس کی کسی چیز سے مثال دی جاسکتی ہے۔ **لیس کمثله شي ء** اس نے سب سے پہلے اپنی مشیت یعنی نفس مشیت کو پیدا کیا جسے نوراوّل یا نور محمدؐ یا مخلوق اوّل کہتے ہیں۔اور پھر اپنی مشیت سے باقی مخلوق کو پیدا کیا۔اس طرح کہ مشیت اللہ، اللہ کے افعال کا امین بنا۔جس کے افعال خلق۔رزق۔ اماتت۔احیاء۔تخلیق و تقسیم سب بمشیتِ خدا و افعال خدا کہلائے اور ان افعال کو اللہ نے اپنے آپ سے بیان ومنسوب کیا اور اپنی معرفت کا سبب اور اپنی تسلیمگی کا ذریعہ بنایا۔ وگرنہ اللہ ان معاملات سے بہت بلند وارفع ہے کہ اس کا تصور کیا جاسکے۔ وہ نہ محدود ہے نہ بیان میں محدود ہوسکتا ہے۔اللہ کی حد بندی ہی حقیقی شرک ہے۔اور اللہ کا انکار منکر بناتا ہے۔اس کو تسلیم کر کے تمام حدود سے ارفع و بالا اور منزّہ و اعلیٰ سمجھنا ہی ایمان کی روح ہے۔اور مخلوق

الفاظ اور صفات سے اسے بیان کرنا شرک کی بنیاد بنتا ہے۔

احادیث وتفسیر معصومؑ سے تائید حاصل کریں۔

امام محمدؑ باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: **اذا ورد علیک یاجابر شی ء من امرنا فلان له قلبک فاحمدالله وان انکرته فرده الینا اهل البیت ولا تقل کیف جاء هذاوکیف کان فان هذا والله هوالشرک بالله العظیمة**''(الرجال صفحہ 128)

''اے جابر جعفی جب تمہارے پاس ہمارے فضائل اور کمالات کے متعلق کوئی حدیث پہنچے اور تمہارا دل اس کو نرمی سے مان لے تو خدا کا شکر کرو اور اگر نہ مانے تو اس کے علم کو ہمارے سپرد کردو۔ اور ایسا نہ کہو کہ یہ حدیث کیوں کر اور کیسے ہوسکتی ہے ایسا کہنا یہی تو حقیقی شرک ہے''۔ مطلب واضح ہے کہ جس فضیلت وکمال (صفات میں ہو یا فعل میں ہو یا اسماء میں ہو) کا تم آل محمدؐ (نور اوّل) سے انکار کرو گے تو اسے اللہ کی ذات میں شریک کرنا پڑے گا۔ جو شرک باللہ ہوگا۔ اور اللہ کو محدود کرنا پڑے گا صفت یا فعل یا اسم کے ساتھ۔ لہٰذا اللہ کو تسلیم کرنے کے بعد اسے ہر صفت واسم وفعل سے بالا تسلیم کرو گے اور حدود کی شرکت سے انکار کرو گے تو الفاظ کی حدود میں آئی ہوئی ہر توصیف نور اوّل سے وابستہ تسلیم کرنا پڑے گی جو اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہے اور اللہ کے افعال کی امین ہے۔ جس کا فعل اللہ کا فعل ہے کیونکہ وہ مشیۃ اللہ ہے۔

ایمان کی حقیقت اور بنیاد۔

ایمان کی حقیقت وبنیاد یہ ہے کہ جن الفاظ۔ صفات۔ اسماء وافعال کو اللہ تعالیٰ نے خود سے منسوب کیا ہے اور اپنی معرفت کا ذریعہ قرار دیا ہے ان کو اللہ تعالیٰ کی تسلیمگی۔ عبادت

وذکر کے لئے استعمال کرکے اللہ کی نفی سے پرہیز کیا جائے اور پھر ان کو مخلوق اوّل (امین افعال الٰہی) کا کمال قرار دے کر اللہ تعالیٰ خالق نور اول (خالق محمدؐ وآل محمد علیہم السلام) کو تمام حدود الفاظ وصفت واسماء وافعال سے منزّہ وبالا قرار دے کر شرک سے محفوظ رہا جائے۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 4﴾

4۔مبالغانہ شرکت کا بیان۔

اللہ نے اپنے لیے صفات الرحمٰن اور الرحیم اور دوسری کئی ایک صفات کو اختیار اور بیان کیا ہے۔مگر یہ صفات بھی مخلوق ہیں اور خود مخلوق کی صفات ہیں اور مخلوق میں موجود ملتی ہیں۔انسانوں میں رحم پایا جاتا ہے۔غضب اور غصہ بھی ان میں موجود ہے۔ان میں کریم بھی ہوتے ہیں۔جابر بھی ملتے ہیں۔پردہ پوش یا ستار بھی ہوتے ہیں۔قہار بھی اور قہر بھی ان میں پایا جاتا ہے۔اللہ کا خود کو الرحمٰن ۔الرحیم ۔الستار اور القہار فرمانا دراصل ہماری مجبوری کو دور کرنے کے لئے ہے۔تاکہ ہم اللہ کی مدح وثنا کرنے میں،اس کی عبادت کرنے میں اس کی پوزیشن بیان کرنے میں، تنگی محسوس نہ کریں۔مگر ہر مدح وثنا میں، ہر عبادت میں اور ہر بیان میں اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ ہماری اور سب زبانوں کے الفاظ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔صفات اور نام بھی مخلوق ہیں یہ اشارے بھی مخلوق ہیں۔اور ہم خود بھی مخلوق ہیں۔اللہ کے سوا یہاں جو کچھ ہے۔وہ سب مخلوق ہے اور ہم خواہ خالق کا ذکر کریں یا مخلوق کی بات کریں وہ مخلوق ہی کے ذریعہ سے ہوگی۔مگر اہل عقل وہوش ہوتے ہوئے ہر قدم پر یہ بات یاد رکھنا ہے کہ ہم مخلوق ہیں۔فانی ہیں اور مجبور ہیں اور اپنی

مجبوری اور فنا کے خیال میں اور مخلوقیت کے ہنگامے میں ایسے بیان دے دیں جو عبادت اور مدح وثنا کے دوران اللہ کو مخلوق بنا جائیں۔ایسی بات نہ کہہ دیں جو اللہ کے شایان شان نہ ہو جو اللہ کی یکتائی اور توحید پر اثر انداز ہو جائے اور ہمیں مشرک بنا دے۔عبادت کرنا اور مدح وثنا کرنا ایسے اعمال نہیں ہیں جو شرک کے جرم کو معاف کرا دیں مشرک بننے سے تو یہی بہتر ہے کہ ہم مشکوک قسم کی عبادات اور مدح وثنا نہ کرتے۔اور شرک کے جرم سے محفوظ رہ جاتے۔اس سلسلے کی موٹی سی بات یہ ہے کہ کسی مخلوق لفظ کو یا مخلوق صفت کو اللہ کے ساتھ مستقل طور پر نہ لگا دیا جائے۔ رحیم یا کریم وغیرہ کہو تا کہ اللہ کے وجود کا اقرار کر سکیں مگر اقرار کے بعد کہہ دو کہ اللہ ایک ایسی ذات ہے جس میں کوئی صفت شریک نہیں ہے۔

حقیقتاً تمام صفات حسنہ نور اوّل محمدؐ و آل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم میں ہیں۔مگر اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے کے لئے ہمیں ہر اچھی صفت کا مبالغہ استعمال کرنا چاہئے جیسے قدرت سے قدیر یا القدیر یا الستار۔الغفار تا کہ صفت کا آخری درجہ بیان ہو سکے۔اور بیان کی حد تک اللہ مذکور ہو گا حقیقتاً اللہ نہ ہو گا اس لئے کہ ہمیں اللہ کو القہار بھی کہنا ہے لہٰذا الرحیم یا الکریم کو نورؐ محمدی میں مستقلاً مانتے ہوئے اللہ القہار مان لیں گے۔تا کہ اللہ میں تغیر نہ ماننا پڑے۔ نور اوّل چونکہ مخلوق ہے اس میں تغیر ہونا یا ماننا صحیح ہے مگر اللہ میں ماننا شرک ہے۔

اسماء الحسنٰی مبالغہ کی آخری حد ہوتے ہیں۔

جب بھی ہم کسی اچھی صفت میں مبالغہ کریں گے تو ایک خوبصورت نام تجویز کریں گے۔جیسے رحم سے مبالغہ کر کے رحیم تجویز کریں گے یا کرم سے کریم۔علم سے علیم۔ حکم سے حکیم۔لہٰذا مبالغہ سے حاصل ہونے والے ناموں کو اسماء الحسنٰی کہتے ہیں۔یعنی خوبصورت نام جن کے ذریعہ سے اللہ کی ذات کو تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ:۔

وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَاءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا (7/180)

''اور اچھے اچھے نام اللہ کے لئے ہیں ان ہی سے اللہ کو پکارا کرو''

مگر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نام الگ چیز ہوتا ہے ذات سے۔ ذات ہی نام ہو اور نام ہی ذات بھی ہو۔ یہ غلط ہے۔

نام ایک لفظ ہے جو زبان پر آواز کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے یا قلم سے مکتوبی صورت میں نکلتا ہے جس سے کسی ذات یا جسم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو اس لفظ یا نام سے الگ چیز ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی ذات سے الگ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اور جو مخلوق اللہ کی معرفت کا سبب بنتی ہے وہ مخلوق اوّل ہے اور وہی اسماء الحسنٰی ہے۔ جس کے ذریعے سے اللہ کو پکارنے یا اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا حکم ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اسماء الحسنٰی وجودی۔

نحن واللّٰہ اسماء الحسنیٰ لایقبل اللّٰہ من العباد عملاً الا بمعرفتنا

(صفحہ 169 اصول کافی کتاب التوحید)

''بخدا ہم ہی اچھے نام ہیں جن کی معرفت کے بغیر اللہ بندوں کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا''

اللہ کا نام اللہ نہیں ہے۔

لفظ ''اللہ'' لفظ ہونے کی وجہ سے مخلوق ہے۔ یعنی اللہ نے باقی الفاظ کی طرح لفظ ''اللہ'' کو بھی پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ''اللہ'' ایک نام ہے جو اللہ کی ذات سے الگ چیز ہے۔ امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسم ''اللہ'' اللہ کی ذات کا غیر ہے۔

(کافی کتاب التوحید صفحہ 129) ہر وہ شے جس کے لئے کوئی نام ہو مخلوق ہے سوائے ''اللہ'' کی ذات کے۔ جس چیز کو زبان سے بولا جاتا ہو اور ہاتھ اس میں کام کرتے ہوں (یعنی زبان سے بولا ہوا اور ہاتھ سے لکھا ہوا) وہ مخلوق ہے۔ اس خالق برحق کا نام اس کے نشانات میں سے ایک نشان ہے۔ اور جس کا نشان ہو وہ نشان سے الگ ذات ہوتی ہے۔ اور نشان کی غایت موصوف ہوتا ہے۔ اور جو موصوف ہے وہ مخلوق ہوتا ہے۔ اور اشیاء کا خالق غیر موصوف ہے۔ مسمّٰی کی حد میں وہ پیدا نہیں ہوا کہ اس کے وجود کو غیر صفت سے پہچانا جائے اور اس کے لئے حد اور انتہا بھی نہیں ہے۔ کوئی نشان بھی نہیں ہے اور جو ہے وہ اس کا غیر ہے۔ کبھی لغزش نہ کھائے گا جس نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اور یہی خالص توحید ہے اس کی رعایت کرو، اس کی تصدیق کرو اور باذن خدا اس کو سمجھو''

جس نے گمان کیا کہ اس نے اللہ کو حجاب اور صورت یا مثال سے پہچانا وہ مشرک ہے۔ کیونکہ حجاب، صورت اور مثال اللہ کے غیر ہیں۔ وہ ذات وحدہ لاشریک ہے جس نے اللہ کو اللہ سے پہچانا اس نے خدا کی معرفت حاصل کی۔ اور جس نے اس طرح نہ پہچانا اس نے خدا کو نہ پہچانا اور اس کے غیر کو پہچانا۔ خالق و مخلوق کے درمیان کوئی شے (علم۔ قدرت۔ غیب۔ حاضر و ناظر ہونا۔ نور ہونا) مشترک نہیں ہے۔ خدا خالق اشیاء ہے۔ وہ کسی چیز سے خود نہیں پیدا ہوا۔ اس کے ناموں سے اسے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اس کی ذات ناموں سے الگ ہے۔ اور نام اس کی ذات سے الگ اور مخلوق ہے۔

اللہ کا لفظ یا نام۔

سب سے اچھا نام اور سب سے اچھا مبالغہ لفظ اللہ ہے۔ جو اِلٰہ (معبود) کا مبالغہ ہے۔ ایسا معبود جس کی کوئی مثال ہی نہیں دی جا سکتی۔ سب سے اچھا معبود برحق۔

اصول کافی کتاب التوحید صفحہ 131-130 پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ''لفظ اللہ اِلٰہ سے مشتق ہے اِلٰہ کیلئے ضروری ہے کہ کوئی اس کی عبادت کرنے والا بھی ہو۔ اور اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا ہے۔ پس جس نے معنی (ذات) کو چھوڑ کر نام کی عبادت کی اس نے کفر کیا اور کسی چیز کی بھی عبادت نہ کی۔ اور جس نے نام اور معنی دونوں کی عبادت کی اس نے شرک کیا اور دو کی عبادت کی اور جس نے صرف معنی (ذات) کی عبادت کی تو یہ توحید ہے'' اور یہی اللہ کی عبادت ہے۔

اللہ کے ننانوے نام ہیں اگر ہر نام ایک ذات ہوتا تو ہر نام ایک معبود بن جاتا۔ لیکن اللہ ایک ذات ہے جو ان سب ناموں پر دلالت کرتا ہے اور اللہ کی ذات ان سب اسماء کی غیر ہے۔

''اے ہشام سمجھو کہ روٹی ایک کھانے والی چیز کا نام ہے۔ نام اور روٹی الگ الگ چیزیں ہیں۔ روٹی روٹی کہنے سے یا لکھنے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ بلکہ روٹی (ذات) کھانے سے پیٹ بھرے گا۔ گویا نام الگ شے ہے اور ذات الگ شے ہے۔ نام تو ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (بقدر ضرورت)

<u>نتیجہ۔</u> مقصود بیان یہ ہے کہ مبالغہ اسم میں ہو یا صفت میں ہو یا فعل میں تشبیہ مخلوق یا مخلوق کی شرکت شرک میں مبتلا کر دے گی۔ مبالغے میں جُز شریک ہوتا ہے۔ شرک سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ سے ہر قسم کی تشبیہ کا انکار کیا جائے اور اسے ایک ذات سمجھا جائے جو کسی شے جیسا نہیں ہے (لیس کمثلہ شی ء)

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 5﴾

معنوی شرکت۔

تمام قسم کے شرک میں معنوی شرکت کا سمجھنا مشکل ہے۔وجہ یہ ہے کہ بیان کے لئے لامحالہ الفاظ استعمال کیئے جائیں گے جو کچھ نہ کچھ معنی ومفہوم رکھتے ہوں گے۔

شرکت معنی میں۔ یہ شرکت ایک ہی معنی میں شرکت کا نام ہے لہٰذا گریز اور علیحدگی ایک ہی صفت یا لفظ میں کیسے ممکن ہوگی؟

مثال۔ ایک گدھا بھی دیکھتا ہے اور دو آنکھیں بھی رکھتا ہے اور ایک انسان بھی دیکھتا ہے اور دو آنکھیں بھی رکھتا ہے۔دو آنکھیں رکھنے اور دیکھنے میں دونوں شریک ہیں۔لیکن ان کے دیکھنے یا بینا ہونے میں علیحدگی اس طرح کی جائے گی کہ گدھا ناپاک اور پاک پانی میں تمیز نہیں کرسکتا۔مگر انسان کرسکتا ہے۔اس لئے ہم گدھے کو دیکھنے والا تو مانیں گے مگر بصیر نہیں کہیں گے۔

غیر مومن کو دیکھتے بھالتے ہوئے اندھا کہا جاتا ہے۔مومن ایک معصومؑ اور گناہ گار میں تمیز رکھتا ہے لہٰذا مومن کی بصارت کو بصیر اور غیر مومن کی بصارت کو اندھا کہا جائے گا۔ یعنی مومن کے دل کی آنکھیں بصیر ہیں اور غیر مومن کی اندھی۔

انسان بھی **سمیعاً بصیراً** ہے یعنی سنتا اور دیکھتا ہے۔اور اللہ بھی سمیع وبصیر ہے۔انسان کانوں اور آنکھوں کے ذریعے سے سمیع وبصیر ہے۔اللہ آلات کا محتاج نہیں ہے۔دیکھنے اور سننے سے مرئی اور مسموعہ چیزوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ خالق کو وہ علم بطور خالق السمع اور خالق البصر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔دونوں سمیع بھی ہیں بصیر بھی مگر

معنوی علیحدگی واضح ہے۔ یہ علیحدگی اگر برقرار نہ رہے تو شرکت معنوی ہو جائے گی۔ جو شرک میں مبتلا کردے گی۔

جب انسانوں کے لئے اعضا کا بیان ہوگا تو وہ اعضاء ہمارے جسم کا حصہ سمجھے جائیں گے لیکن اللہ کے اعضا کا بیان اس کے ذاتی اعضاء نہ کہلائے گا بلکہ وہ اعضا اللہ کے معرّف (معرفت کرانے والے) کے اعضاء قرار پائیں گے۔ یعنی اللہ کے افعال کے امین، حجج اللہ یا اللہ کی مشیت کے ظرف ہوں گے۔

ترجمہ کرنے میں شرکت معنوی کا بہانہ۔

وَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ (29/11)

''اورضرور اللہ ان کو بھی جان لے گا جو ایمان لے آئے ہیں اوران کو بھی جان لے گا جو منافقین ہیں''

یہ ترجمہ ایک مترجم قرآن سے نقل کیا ہے ترجمہ نگار نے شرکت معنوی پیدا کردی ہے اور علیحدگی کی کوشش نہیں کی ہے۔ یہاں ترجمہ معنی کی علیحدگی کے لئے حسب ذیل کیا جاسکتا ہے۔

''اللہ تعالیٰ ان کو بھی ظاہر کردے گا جو ایمان لے آئے ہیں اور وہ منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا''

ترجمہ میں شرکت معنوی کو جدا کرنے پر اعتراضات۔

پہلا اعتراض تو یہی ہے کہ اللہ کو معلوم نہ تھا کہ میں غلط الفاظ بول رہا ہوں جو بوعلی اینڈ کمپنی کو اصلاح پر آمادہ کریں گے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قریشی سازش کی تائید ہوتی ہے جو مصدری معنی کو ہٹانے اور خلاف مصدر معنی کرنے کی اسکیم چلاتے رہے اور سارے قران کو پاژند بنا کر رکھ دیا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ الفاظ ''ظاہر کرنا'' صحیح ترجمہ نہیں ہے اگر ترجمہ ہی میں شرکت معنوی کو جدا کرنا ضروری تھا تو ترجمہ یہ چاہیئے تھا کہ اللہ ان کو بھی ضرور معلوم کرا دے گا جو مومن ہیں اور وہ ان کو بھی ضرور معلوم کرا دے گا جو منافق ہیں

کتاب التوحید کی بحثوں کے پڑھ لینے والے تو یقیناً شرکت معنوی میں ہرگز نہ الجھیں گے لہٰذا مصدری معنی کرنے کے بعد وہ خود اللہ کے علم اور انسانوں کے علم کا فرق خود ہی سمجھ لیں گے۔ لہٰذا ابو علی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ: عام مخلوقات اور اللہ کے علم میں فرق یہ ہے کہ عام مخلوقات علم حادث بعد حدوث فعل جان سکتی ہیں اور اللہ حدوث افعال سے پہلے ویسا ہی علم رکھتا ہے جیسا حدوث فعل کے بعد، اُس علم میں تغیر نہیں ہوسکتا۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O(31/34)

''کوئی نفس درایتاً یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا۔ اور کوئی نفس درایتاً یہ نہیں جانتا کہ وہ کون سی سرزمین پر مرے گا۔ یقیناً اللہ جاننے والا خبردار ہے''

یعنی انسان صدور فعل سے پہلے علم نہیں رکھتا۔ اور اللہ صدور فعل سے پہلے علم رکھتا ہے ایسا ہی جیسا کہ صدور فعل کے بعد۔ یہ معنوی شرکت سے علیحدگی ہوگئی۔ یاد رہے کہ یہ منزل اوّل ہے۔ شرک جلی سے بچنے اور شرکت معنوی سے بچنے کی جو عوام الناس کو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ مشکل منزل اس سے آگے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو معنی ہم نے ادراک کر لئے ہیں اللہ ان معنی سے بھی الگ ہے جو ناقابل ادراک ہے۔

ہم نے جو معنی علیحدگی کے لئے اختیار کئے ہیں وہ معنی اللہ کی معرفت کرانے والے نور اوّل پر جاکر منتہیٰ ہوں گے۔اس لئے کہ نور اوّل ادراک میں آچکا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزّہ ہے۔جس کو بیان کی حد میں نہیں لایا جاسکتا اور محض تسلیمگی کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔

اور ہم نے جو معنی کی علیحدگی اختیار کی ہے وہ بھی نور اوّل پر ہی منتہی ہوگی۔اللہ تو ایک ایسی ذات ہے جس میں کچھ بھی شریک نہیں ہے۔جب کہ نور اوّل خود کشف وعلم ہے جو ہر علم پر محیط ہے اور ہر علم کا مبالغہ اور منبع ہے۔یا وہی اللہ کا علم کہلاتا ہے۔

بہر حال معنی کی علیحدگی شرکت معنوی سے بچنے کے لئے ضروری ہے تاکہ اللہ کے وجود کے اقرار کے بعد شرک سے پرہیز ہوسکے۔اب ہم قرآن سے یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ قبل از صدورِ فعل حجج اللہ کو اُسی طرح علم دیا جاتا ہے۔جیسا کہ بعد از صدورِ فعل علم دیا جاتا اور جس علم کی انتہا نور اوّل کے حاملین محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں۔اللہ نے فرمایا ہے کہ: **فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ...** (18/74)

"پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے پس اس کو خضرؑ نے قتل کردیا"

یہاں غور فرمائیں کہ اس لڑکے سے کوئی جرم سرزد نہ ہوا تھا۔مگر اللہ جانتا تھا کہ وہ ایک بدکار شخص بنے گا جو اپنے مومن ماں باپ کو بھی بدراہ کرڈالے گا۔اللہ نے اس کے مومن ماں باپ کو جہنم سے بچانے کے لئے لڑکے کو قبل جرم قتل کرا کے اس کے ماں باپ کی لاعلمی میں ان پر احسان عظیم کردیا۔گو ماں باپ کو بیٹے کے غم سے دوچار ہونا پڑا۔لہٰذا لڑکے کے جرم کا علم قبل از فعل حضرت خضر علیہ السلام کو اطمینان کی حد تک دے دیا گیا تھا۔اسی لئے خضرؑ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ:۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا O(18/80) ''رہ گیا لڑکے کو قتل کرڈالنا اس کے ماں باپ مومن تھے ہمیں اس حقیقت نے عاجز کردیا کہ کہیں وہ لڑکا بڑا ہوکر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور حق کو چھپانے پر مجبور نہ کردے''۔

لہٰذا ہم نے اس کو اس کے جرم سے پہلے ہی قتل کرڈالنا بہتر سمجھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ لڑکے کا فعل قبل صدور ہی یقینی تھا۔ جس پر خضر علیہ السلام کو بھی یقین اور چشم دید یقین تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حقائق کا ملاحظہ کرا کے عین الیقین کی حد تک علم دے سکتا ہے۔ اور اس نے اپنے نور اوّل کو پوری کائنات کے اندر وقوع میں آنے والے افعال کا ملاحظہ کرا کے تمام افعال کا قبل وقوع علم عطا کر رکھا تھا۔ جس کو آج کی سائنس Time & Space Theory کے نام سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

ہم ایک بچھو یا سانپ کو دیکھتے ہی انہیں مار ڈالنے کا فیصلہ بڑے اطمینان سے کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ دونوں اگر موقع ملے گا تو کاٹ لیں گے۔ ہمیں یہ علم مسلسل مشاہدے اور تجربے سے ہوا ہے۔ ہمارے اس علم میں غلطی کا قطعاً امکان نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ نے مخلوقات کو فطرت عطا کی ہے اور یہ فطرت اپنے نور اوّل کی معرفت دی ہے۔ لہٰذا اللہ کو اور نور اوّل کو فطرت پر پورا علم و یقین ہونا از بس ضروری ہے۔ ساتھ ہی ان کو انفرادی طور پر بھی قبل از وقوعِ واقعہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اللہ قبل از صدور فعل جانتا ہے کہ کوئی کیا کچھ کرے گا اور کیسے کرے گا اور کس کس شے سے مدد لے گا۔ لہٰذا اللہ مختار ہے کہ جس کو چاہے قبل از صدور فعل گرفت میں لے سکتا ہے۔ سزا دے سکتا ہے مگر اس کی مشیت اور نور اوّل نے یہ چاہا ہے کہ انسان اپنی پوری آزادی سے اپنی منشا کے مطابق

اپنی اغراض ومقاصد کے ماتحت کام کرلے تو اسے اس کے اطمینان کے مطابق جزا یا سزا دی جائے۔ تاکہ اس کے پاس کوئی عذر و بہانہ نہ رہ جائے۔ اور اسے انسانی علم کے مطابق جزا وسزا سے دوچار کیا جائے یہی اتمام حجت کہلاتا ہے۔ اور اللہ اپنے نور اوّل نور محمدؐی کو مطمئن کرنے اور اپنا تعارف کرانے کے لئے مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے تاکہ عام انسانوں کے ساتھ ساتھ اس کا نورؐ اوّل بھی مطمئن رہ سکے۔

غنی میں شرکت اللہ بھی تو غنی ہے۔

ہم اس انسان کو غنی کہتے ہیں جو ضروریات دنیاوی کا ذخیرہ جمع کر کے بے فکر ہو جائے اللہ ان معنی میں غنی ہے کہ وہ جو چاہے جب چاہے اور جتنا چاہے فوراً پیدا کرسکتا ہے وہ ذخیرہ کرنے اور اسے سنبھالنے کا محتاج نہیں ہے۔ انسان غنی ہوتے ہوئے بھی محتاج ہے۔ حکیم اور علیم بھی محتاج ہوتے ہیں غور وفکر کے مزید حکمت اور علم حاصل کرنے کے اور بھول چوک اور لغزش کے۔ اللہ علم وحکمت کا خالق ہے۔ مالک ہے اور علم وحکمت کا محتاج نہیں ہے۔

قرآن میں چند الفاظ انسانوں اور اللہ دونوں کے لئے آئے ہیں۔

ان الفاظ کے مصدری معنی ایک ہی اختیار کئے جائیں گے۔ معنی بدل کر شرکت کی نفی کرنا قریشی سازش میں مددگار ہوگا لہٰذا خالق اور مخلوق کا فرق خود شرکت کی نفی کردیگا۔ مثلاً:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ O(3/54)

(1)"اور انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ تو بہترین مکر کرنے والا ہے ہی"

لفظ مکر اردو میں بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ترجمے کی اردو دانوں کے لئے ضرورت نہ تھی خود آیت شرکت معنوی کی نفی کر رہی ہے اور لفظ "خیر" بتا رہا ہے کہ اللہ کے مقابلے

میں انسانوں کا مکر محدود ہے اور ہمہ گیر نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا انسانوں کا مکر، مکر کے خالق کے مقابلے میں ہیچ اور ناکام رہے گا اور رہا۔ اگر اللہ لفظ مکر کو یا کسی اور لفظ کو برا سمجھتا تو ہرگز اسے اپنے حق میں استعمال نہ کرتا لہٰذا معنوی تحریف نہ صرف یہ کہ قریشی سازش کی تائید ہے بلکہ اللہ کے علم کی توہین بھی ہے۔ بقول مودودی:۔

''وہ دراصل ثابت یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مافی الضمیر اور بیان مدعا کی اتنی قدرت اور سوجھ بوجھ بھی نہیں رکھتا جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں''

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 252، صفحہ 258 حاشیہ نمبر 44 و نمبر 51)

دوسری مثال: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ... (4/142)

''یقیناً منافق لوگ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ منافقوں کو دھوکے میں رکھتا ہے''

قرآن کے تمام قاری یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ ہی غالب رہیگا اور منافق ہی اپنے دھوکے میں ناکام ہوں گے۔ اسلئے کہ ان کا دھوکہ بھی ہمہ گیر نہیں ہوسکتا اس میں بھی خامیاں اور کوتاہیاں رہ جائیں گی۔ لہٰذا شرکت معنوی بے اثر و بے ضرر ہو کر رہ جائے گی۔

تیسری مثال: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (9/67)

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہیں وہ عالمی برائیوں کو نافذ کرنا چاہتے ہیں اور عالمی اچھائیوں کو روکنا چاہتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو قابو میں رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے ہیں اور اللہ نے بھی انہیں بھلا رکھا ہے۔ یقیناً منافق لوگ اللہ کے احکام

بلفظہٖ نافذ نہیں کرتے۔

نسیان کے معنی ہرگز ترک ہونے یا ترک کرنے کے نہیں ہیں۔اور نسیان کی کوئی سزا قرآن میں مذکور نہیں ہے۔یہ معنوی بدہضمی ہے۔

چوتھی مثال: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ O (2/15)

''اللہ بھی ان کا مذاق اڑاتا ہے اور مذاق اڑائے گا اور ان کی رسی دراز کر رہا ہے اور وہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں'' اور بھٹکتے رہیں گے۔شرکت معنوی کی بدہضمی غلط ہے وہ مذاق کا بھی خالق ہے اس کا مذاق انہیں بھٹکانا ہے نہ کہ لفظوں سے عارضی مذاق کرنا۔

پانچویں مثال: مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰـؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا O(4/143)

''حق اور باطل کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ وہ حق پر ہیں نہ وہ باطل پر رہے اور جسے اللہ اس حال میں کر دے تو اے رسولؐ تم اس کے لئے کوئی ایک مستقل راستہ نہ پاؤ گے''

یہاں تو کوئی شرکت معنوی ہے ہی نہیں۔پھر جبراً ہدایت کرنا بھی غلط ہے اور جبراً گمراہ کرنا بھی غلط ہوگا۔

چھٹی مثال: ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا O(18/17)

''اصحاب کہف تو اللہ کی آیات و معجزات میں سے ہیں۔جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اے نبیؐ تم اس کے لئے کوئی ہدایت کا رولیؐ نہ پاؤ گے''

جب یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی ہے کہ اللہ کے تمام کام اس کی پہلی مخلوق، نور اوّل یا نور محمدیؐ کے کام ہوتے ہیں تو یہ ماننے میں کیا دقت ہوسکتی ہے کہ جسے نور محمدیؐ ہدایت کردے وہی درحقیقت ہدایت یافتہ ہوگا اور جس کی طرف سے رُوئے ہدایت موڑ لے اس کے لئے کوئی مرشد وہدایت کار نہیں ہوسکتا۔ یہاں یا ایسی آیات میں کہیں اور شرکت معنوی کا وہم یا خبط پیدا کرنا محض تحریف قرآن کی غرض سے ہوسکتا ہے۔ توفیق ہدایت دینا تو ہدایت دینے سے بھی پیچیدہ معاملہ ہے جسے عقول انسانی آسانی سے نہیں سمجھ سکتیں۔

بہرحال بوعلی صاحب عقلی بدہضمی میں مبتلا رہتے چلے گئے ہیں اور قرآن میں تحریف وتبدیل کے بہانے ڈھونڈھتے رہے ہیں اور ہر آنے والے باب میں اس مرض کو ترقی دیتے گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 6﴾

شرکت عددی۔ اس باب میں علامہ صاحب نے شروع کی چھ سات سطریں فضول دہرائی ہیں۔ جن باتوں کو بار بار لکھ چکے ہیں وہی پھر بار بار کہنا بدذوقی ہے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ ہرگز ''ایک'' نہیں ہے۔ وہ تو ''احد'' ہے ایسا ایک ہے کہ ویسا، ایک ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہہ کر بات ختم ہوجاتی ہے کہ **لیس کمثلہ شی ء وھو السمیع البصیر** باوجودیکہ وہ سمیع اور بصیر ہے مگر اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے'' اس نے خود کو چوتھا بھی کہا اور چھٹا بھی فرمایا مگر اس کی مثل نہ کوئی چوتھا ہے نہ چھٹا ہوسکتا ہے بہرحال بوعلی صاحب پر مصنف بننے کا دورہ پڑا ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 7﴾

شرکت مکانی۔

اس باب میں بھی الفاظ اور مطالب کی اس قدر فضول تکرار ہے کہ اسے بکواس سے زیادہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا ہے بہر حال فضولیات کو ترک کرتے ہوئے نور محمدؐ اور اجزائے نور محمدؐ کے متعلق جو باتیں بکواس کی حد تک دوہرائی نہیں گئی ہیں ان کو لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ سوجھ بوجھ اور معلومات میں اضافہ ہو۔

رب سے مراد مربی ہے جو نور اوّل ہے جس نے عالمین کی تربیت و ربوبیت کی ہے اور ہر لحہ کر رہا ہے اسی نور اوّل کو زمین کا رب فرمایا گیا ہے۔ جس نے تمام مخلوقات کی تربیت کی ہے جو خود مشیت الٰہی اور ارادۃ اللہ ہے وہی مؤسیٰ کا رب ہے اس نور محمدؐ کو بے حجاب کوئی دیکھ نہیں سکتا نہ انبیاءؑ نہ ملائکہ۔ ان کی رونمائی کے لئے حجاب ضروری ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ وَّجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا تمہارا رب اور ملائکہ صف بہ صف آموجود ہوں گے'' (89/22) یہ رب جو آیا ہے پہلے کہیں اور تھا۔ **لہٰذا یہ اللہ نہیں ہوسکتا جو ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ اس میں تغیر بھی نہیں ہوتا۔ وہ مجسم بھی نہیں محدود بھی نہیں۔**

لہٰذا یہ رب امام آخر الزمان قائم قیامت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ قیامت و رجعت میں دکھائی دینے والا رب بھی حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اللہ کے لئے قرب و بعد صادق نہیں آتے۔ قریب ہونے اور دعائیں قبول کرنے والا (2/186) اور رگ گردن سے قریب رہنے والا (50/16) بھی نورؐ اوّل ہے قربت اور اجابت فعل ہیں جو اللہ کے امین علیہ السلام کے افعال ہیں جو ہر شے کی تخلیق میں بطور مؤثر اور بطور متصرف قربت رکھتا

ہے۔اس کی شرکت مکانی اُس کے لئے عجیب نہیں۔اُس کا فعل اللہ کا فعل کہلاتا ہے کیونکہ نورِاوّل کا فعل، امین فعل الٰہی ہے اجابت یا قربت میں۔ہم ہر فعل اور ہر عبادت بہ نیت قربتہ الی اللہ کرتے ہیں اس کے بغیر ہر عمل وعبادت بے کار ہے۔وہاں بھی قربت، افعال الٰہی کے امین، مشیت اللہ کے ظرف، نوراوّل ہی کی ہوتی ہے۔

رحمت کا مفہوم: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَO(21/107)

''اے رسولؐ ہم نے تم کو تمام عالموں کے لئے رحمت ہی کر کے بھیجا ہے۔'' رحمت رحم سے اسم مصدر ہے۔رحم ایسی شے کا نام ہے جس سے تخلیق کا اجرا ہو۔رحمت وہ بنیادی نوراوّل ہے جس سے تمام مخلوقات کی تخلیق ہوئی ہے۔اس لئے اسے تمام مخلوقات میں عمل دخل وتصرف حاصل ہے اور ہر شے رحمت الٰہی کے باعث ہی وجود میں آئی ہے اور باقی ہے۔پس رحمت ہی ایسی شے ہے جو انسان کی شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔

قربت الی اللہ میں قربۃ معنوی ہے جو محبت واطاعت سے معنون ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت واطاعت اس کی مشیت (نوراوّل) کی محبت واطاعت میں مضمر ہے۔مقصود بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود یا کسی مکان کی حدود میں نہیں کہ قربت مکانی کا تصور ہو سکے۔قربت مکانی ہی کا نام شرکت ہے۔یکجا ہونا۔پس تشبیہ مکانی اللہ کے لئے اس کے ساتھ مکان کا شریک کرنا ہے جو شرک ہے یہی حال بُعد کا ہے۔

بُعد۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَO (11/68)

''خبردار قوم ثمود کیلئے لعنت ہوئی ہے''۔قربت کی ضد بُعد اور رحمت کی ضد لعنت ہے لعنت سے مراد پھٹکار۔ترک کرنا۔دور کرنا۔نفرت کرنا ہے۔جو محبت کی ضد ہے۔یعنی قربت

رحمت ومحبت (اطاعت کا نام) ہے اور دوری لعنت ونفرت ۔ یہ دوری بھی معنوی ہے مقصود لعنت ونفرت ہے ۔اس سے مراد بھی مکانی دوری نہیں ہے اور یہ دوری بھی مشیت اللہ کی محبت واطاعت وتسلیمگی سے دوری ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے۔۔۔۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 8﴾

شرکت زمانی۔

شرکت زمانی سے مراد کسی وقت معین یا وقت محدود یا زمانے کا بیان ہے اللہ کی ذات کے لئے ۔جبکہ زمانہ خود محدود ومخلوق ہے ۔ جومخلوقات ۔ چاند۔سورج۔ستاروں۔ سیاروں کی گردش (گردش لیل ونہار) سے پیدا ہوتا ہے ۔ اللہ کی ذات اپنی مخلوق (یعنی زمانہ) کی حدود میں یا ادراک میں نہیں آسکتی۔اس کی ذات کے لئے زمانے کا تعین یا بیان شرکت زمانی ہے ۔جس سے اس کی ذات میں وقت یا زمانہ شریک ہوگا اور شرک ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کی شرکت سے پاک ولاشریک ہے اس لئے مندرجہ ذیل آیات کی تفہیم صحت کے ساتھ ضروری ہے جن میں زمانہ کی قیود بیان کی گئی ہیں ۔بغیر عقل سلیم سے کام لئے شرک سے بچنا محال ہے۔

1۔یوم الدین: مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِO(1/4)

''اور وہ فیصلے کے دن کا مالک ہے''

اللہ تعالیٰ عالمین کی ہر شے کا مالک ہے۔ ہر دن اور ہر زمانے کا مالک ہے اس کے لئے فیصلہ کے دن کی قید کیسی؟ یہ شرکت زمانی ہے اور جس طرح ہر قسم کی شرکت شرک باللہ

ہے اسی طرح زمانہ کی شرکت بھی شرک ہے ۔لہٰذا یہ حد یا معیّن دن کی ملکیت کا بیان اللہ کی ذات کے لئے شرک کا باعث ہے ۔ یہاں بھی معیّن دن کی ملکیت کا بیان نوراوّل کے لئے ہے ۔جس کا فعل امین افعال الٰہی ہونے کی وجہ سے اللہ کا فعل کہلاتا ہے ۔پس یوم الدین سے مراد آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم (نوراوّل کے حامل) قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ و السلام کی حکومت ہے اور اگر محشر مراد ہے تو اس دن بھی حساب لینے والا نوراوّل ہی ہوگا۔جس کا فعل اللہ کا فعل ہے اور جس کی حکومت یا ملکیت اللہ کی حکومت وملکیت ہے ۔کیوں کہ وہ اللہ کے فعل کا امین ہے (اللہ مجسم نہیں کہ ظاہر ہوکر حساب لے اور جواب طلبی کرے ۔)

2۔ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ O(40/15)

’’تا کہ لوگوں کو ملاقات کے دن سے ڈرائے‘‘ حقیقت میں نوراوّل داور محشر بن کر جواب طلبی کرے گا اس سے ملاقات سے ڈرانا مقصود ہے لہٰذا محمدؐ و علیؑ داور محشر ہوں گے۔

3۔ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (11/29)

بیشک وہ اپنے پروردگار (مربی امامؑ) سے ملاقات کرنے والے ہیں‘‘

یہاں بھی مربی امامؑ مقصود ہے۔

4۔ قیامت کا دن:

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ..(39/67)

اور زمین ساری کی ساری امام زمانہ علیہ السلام کے قبضے میں ہوگی ۔یعنی ان کے زیر تصرف ہوگی ۔یمین سے مراد پورا پورا غلبہ ہے ۔مراد قائم آل محمدؑ کا قبضہ اور تصرف ہے ۔ آسمانوں پر بھی ان کا قابو اور غلبہ ہوگا ۔آپؑ کے اشاروں پر زمین و آسمان اور شمس و قمر عمل

کرتے نظر آئیں گے۔ چاند وسورج طلوع وغروب ہوں گے۔ ان ہی حضراتؑ نے چاند وسورج کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ مسخر ومقدور کر دیا ہے یہی اللہ کے **مثل الاعلیٰ** ہیں۔ یہی قدرت کے مظہر ہیں۔ اس آیت میں قائم آل محمدؐ کی حکومت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کہ وہ ساری زمین اور کل آسمانوں پر حکومت کریں گے۔ اسی دن یہ آواز بلند ہوگی کہ:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (40/16) ''آج سلطنت کس کی ہے؟

یہ آواز دینے والے جبرئیل امین ہوں گے اور جواب دینے والے قائم قیامت حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے جو ارشاد فرمائیں گے کہ: **لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ** (40/16) خدائے یکتا و زبردست کی حکومت ہے'' جس کا نمائندہ وخلیفہ میں ہوں۔

اس کے بعد بوعلی صاحب نے بڑے طنزیہ مگر لچر الفاظ میں گفتگو کی ہے اور اہلسنت کا مذاق اڑایا ہے پورا ایک صفحہ ضائع کر دیا ہے اور اسی میں بہت کمزور معنی کے ساتھ (25/30) کو لکھا ہے اور مندرجہ ذیل ترجمہ کیا ہے۔

''اور رسولؐ اس وقت یہ فرمائیں گے۔ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن (کے صحیح مفہوم) کو بالکل چھوڑ دیا تھا''

''قال'' کے معنی مستقبل اور قیامت میں کر کے علامہ نے (25/31) کو بیکار کر دیا ہے جس میں اللہ نے قریش کے مقابلے میں راہنمائی اور کامیابی کا وعدہ کیا تھا۔ بہرحال یہاں مولوی صاحب بکواس کی چوٹی پر چڑھ گئے ہیں اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ لفظ **ھجر** اگر زیر سے ہو تو اس کے معنی مفارقت اور **ھجر** اگر زبر سے ہو تو اس کے معنی بکواس کے ہوتے ہیں۔

5۔حکومت خاص:

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًاO وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًاO (25/26-27)

''سلطنت اس دن خدا ہی کی ثابت ہوگی اور وہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔اور اس دن ظالم (اوّل) اپنے دونوں ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کھائے گا اور یہ کہے گا کہ کاش میں نے رسوؐل کا راستہ اختیار کیا ہوتا''

اللہ کیلئے کسی دن کی خصوصیت بے معنی ہے وہ ہمیشہ اور ہر حال میں حکمران ہے۔ غیر متغیر ذات ہے اس دن حکومت ثابت کیسے ہوگی۔ وہ تو مجسم نہیں کہ سامنے آ کر تخت پر بیٹھے اور احکام چلائے۔ یہاں حکومت اس کے افعال کے امین امام برحق کی ہوگی جس کے اشاروں پر پوری کائنات آسمان۔زمین چاند۔سورج ستارے عمل کرتے نظر آئیں گے۔ لیکن چونکہ حاکم کائنات ولی اللہ کہلائے گا اور خدا کو سجدہ کرتا نظر آئے گا۔اس لئے ہر شخص پر یہ ثابت ہوجائے گا کہ حکومت اللہ کے نمائندے کا حق ہے۔نہ کہ لوگوں کا کہ جسے چاہیں حاکم بنالیں اور چن لیں۔ یہاں کافروں سے مراد آئمہ طاہرین کا انکار کرنے والے ہیں۔ تفسیر قمی میں ہے الظالم سے مراد حاکم اول ہے اور سبیلاً کا مطلب علیًّا و لیًّا منقول ہے۔

6۔یوم الحساب:

لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِO (38/26)

''یومِ حساب کو بھولے ہوئے ہونے کی وجہ سے ان کے لئے سخت عذاب ہے''

اولاً اللہ مجسم نہیں کہ سامنے آ کر حساب لے۔ ثانیاً وہ متغیر نہیں کہ جو ہمہ وقت حساب نہیں لے سکتا۔ کسی معیّن دن یا وقت پر بذات خود حساب لے۔ حساب لینے والا افعال خدا کا امین امامؑ برحق ہوگا۔ جس کا فعل خدا کا فعل کہلائے گا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افعالِ خدا کے امین ہیں۔ جن کا فعل اللہ کا فعل کہلاتا ہے۔ جب کہ وہ اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے نیابت الٰہی میں کام انجام دیتے ہیں۔ یہی حال آئمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہے۔ بالخصوص حساب لینے والے علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جو ولایت الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ کے افعال کے امین ہیں اور بالخصوص قدرت الٰہی کے مظہر ہیں۔ اسی کا نام ولایت مطلقہ ہے۔
یوم حساب۔ یوم الدین۔ یوم عظیم یا ایسے معیّن ایام یا اوقات کا جہاں بھی ذکر ہو وہاں اللہ کی ذات سے فعل مختص کرنے میں شرکت زمانی واقع ہوتی ہے۔ جس سے زمانہ کی شرکت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غیر متغیر وغیر مجسم وغیر محدود ہے۔ اور لاشریک ہے اس کی ذات میں کچھ شریک نہیں۔ اسی لئے اس نے اپنے مختص افعال کے لئے اپنے امین مقرر کر رکھے ہیں جو 14 معصومینؑ حاملانِ نور اوّل ہیں۔

ے بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ؟

"14 معصومینؑ حاملانِ نور اوّل یا نور اوّل کے فانوس محمدؐ وآل محمدؑ"

اس قسم کے جملوں کی بھرمار کی گئی ہے مطلب یہ ہوا کہ چودہ معصومینؑ الگ ہیں جو نور اوّل کے حامل ہیں۔ یعنی نور اوّل چودہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم سے الگ پندرہویں چیز ہے اس طرح محمدؐ وآل محمدؑ الگ چیز ہیں جو فانوس ہیں نور اوّل کے یہاں بھی نور اوّل کوئی الگ چیز ہے۔ بلا سمجھے اس طرح کی بکواس مسلسل کی جاتی رہی ہے۔

7۔ نفس اللہ وحساب اعمال:

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِO

(آل عمران 3/30)

''وہ دن آنے والا ہے جب ہر ہر نفس اپنے کئے کا نتیجہ حاضر پائے گا۔ خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا برائی کی ہو۔ اس دن آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر نہایت نرمی کرنے والا رحیم ہے''

اعمال کا ریکارڈ، ہر حرکت وسکون کا مع نیتوں کے اسی طرح پکچرائیز ہو رہا ہے جس طرح فلم ہوتی ہے۔ یہی وہ کتاب ہوگی جو ہر انسان کو دے کر کہا جائے گا کہ لے دیکھ آج تو خود اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے سامنے ساری زندگی کی کتاب یا منظر سامنے آجائے گا۔ یہ ریکارڈ اور رکھنے والا شہیدِ خدا امامؑ ہوگا جو اعمال کی کتاب یا منظر ہر نفس کے سامنے کھول دے گا۔

8۔ نفس اللہ۔

اس سے مراد امام (حامل نور اوّل) ہے بالخصوص اس سے مراد داور محشر علی بن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جیسا کہ خطبۃ البیان میں مذکور ہے۔ آپ کا ہی نفس اللہ نے شب ہجرت اپنے لئے خریدا ہے اور آپ ہی کا لقب نفس اللہ بالخصوص ہے۔ خصوصی ولایت مطلقہ آپ کیلئے ہے اور اللہ آپ ہی سے یعنی اپنے نفس مشیت علی بن ابی طالبؑ سے لوگوں کو ڈراتا ہے۔ جو قسیم النار والجنۃ ہیں۔ ترجمہ نگار نے العباد سے مراد کل

بندوں لیاہے یہاں بالعباد سے مراد کل آئمہ طاہرین شہداء اللہ مراد ہیں۔جن کے فیصلے پر اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ تقسیم کرائے گا۔یہ محشر سے متعلق ہے۔وہاں اللہ تعالیٰ غیر مومن پر مہربان نہ ہوگا۔اللہ کی مہربانی سے مراد نفس اللہ کا مہربان ہونا ہے۔جو اللہ کے افعال کا امین ہے۔اللہ تعالیٰ مجسم ومحدود نہیں اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ خود ہر کام (انسانوں کی طرح) کرے۔اس کے تمام کام اس کی منشا کے مطابق اس کے افعال کے امین کرتے ہیں اور وہ افعال خدا کے افعال ہوتے ہیں بوجہ ہونے بہ منشا الٰہی۔اگر آیت مذکورہ میں جو ایک مخصوص دن یا وقت سے متعلق ہے اللہ کی ذات کو مختص کیا جائے اور اس کے افعال کے امین کو تصور نہ کیا جائے تو شرکت زمانی پیدا ہوگی جسے تشبیہ زمانی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات لاشریک ہے۔کسی زمانہ۔دن۔وقت کی پابندی قیود وحدود نہیں رکھتا"

یہاں تک ہم نے دل پر جبر کر کے مولانا کا پورا بیان لکھ دیا ہے جو الفاظ ومطالب کو بار بار دہرانے اور لانے سے بے معنی بکواس بن گیا ہے قارئین ان کے ترجمہ اور بیان کو پھر پڑھیں وہ نظارہ جو مولانا دکھانا چاہتے ہیں۔پکچرائز ہونے لگے۔تو لاتعداد انسانوں کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ نظارہ ان کا ہے؟ پھر لوگوں کو بٹھانے کا کوئی بندوبست مذکور نہیں ہے اژدھام ہوگا۔ایک دوسرے کے پیچھے لوگ پوشیدہ ہوجانے میں آڑ بن جائیں گے۔یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ نظارہ کہیں اونچائی سے دکھایا جائے گا پھر اس نظارہ میں دیگر متعلقہ افراد بھی دکھائے جائیں گے تو شناخت کرنے کا کوئی بندوبست مذکور نہیں ہوا ہے اور صرف پکچرائز کرنے سے کیا ہوگا یہاں سزا وجزا کا تو ذکر ہی نہیں ہے؟ مختصر مطلب یہ ہے کہ اہلسنت والا طریقہ مذکور ہوا ہے۔جزا وسزا کا ساتھ کے ساتھ ملنا مذکور نہیں ہے۔اچھے اور بُرے اعمال میں تو حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ہوں گے۔ظالم اور مظلوم بھی ہوں گے

صرف پکچر دیکھ لینے سے کیا ہوگا؟ عدل وانصاف کیسے ہوگا؟ الغرض بوعلی نہ رجعت پر ایمان رکھتے ہیں نہ رجعت کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بیسیوں مقام اور نام ایسے آئے ہیں جہاں انہیں عین یا صاد لکھنا تھا مگر سرپٹ دوڑتے اور بکواس کرتے چلے گئے ہیں۔ شروع میں علی بن ابی طالب لکھا تو دونوں کیلئے علیہما السلام نہیں لکھا یعنی ابوطالبؑ علامہ کے اپنے کوئی بھائی بند تھے۔ جن کے لئے کسی احترام کی ضرورت نہ تھی۔ پھر شرکت زمانی کا ہیڈنگ قائم کرکے خواہ مخواہ کی بکواس کی ہے اور پورا صفحہ ضائع کردیا ہے جسے ہم ترک کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

یہاں پہنچ کر مزید تنقید وتوضیح وتشریح روک دی گئی۔ کیونکہ عنوانات اور مولانا کے بیانات میں کوئی جان نہیں تھی کوئی سبق نہیں تھا اور بیانات کو بار بار دہراتے چلے گئے ہیں۔ مولانا صاحب اپنے عنوانات کو نبھانے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ کہیں کہیں علامہ نے عمدہ اور مفید باتیں بھی لکھی ہیں مگر لکھنے کا طریقہ ایسا رہا کہ عمدہ اور مفید باتیں بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہیں۔ اس لئے یہاں سے مزید تنقید کا سلسلہ تضیع اوقات سمجھ کر روک دیا گیا۔

لہٰذا قارئین یہاں رک جائیں اور رک کر چند ایسے جملے بھی پڑھ لیں جو ہم اپنے دوست کو آخری نصیحت کے طور پر لکھیں گے اور اس نصیحت کے بعد اگر ضروری سمجھا گیا تو مسلسل کتاب کی توضیح وتشریح کریں گے انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

حقیقت واقعی ونصیحت!

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شیعوں کی کثرت کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ البتہ جو شخص خود تم تک پہنچے اور تم سے حقیقت حال جاننا چاہے۔ اسے اس طرح مخاطب کرو کہ گھبرا نہ جائے۔ اور اس کے سامنے مذہب شیعہ کے بنیادی عقاید رکھتے جاؤ اور اسے ٹٹولتے جاؤ اگر اس میں روح مذہب زندہ ملے اور حق کو قبول کرنے میں کوئی قومی یا مذہبی رسم ورواج اس کے آڑے نہ آئے مثلاً خمینی، ڈھکو یا شیخی تصورات تو اس کو حق سے قریب لاتے جاؤ یہاں تک کہ وہ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں سب کچھ چھوڑ دینے پر دل کی گہرائی میں آمادہ ہو۔ اب اسے وہ طریقہ بتاؤ جس سے وہ دنیا سے ظاہری انقطاع کے بغیر قلبی طور پر امام علیہ السلام سے وابستہ ہو جائے۔ اس دوران اسے آثار فضل وکرم محسوس ہونے لگیں گے اسے حقیقی نماز بجالانے کی اجازت دے دو، معاہدہ پڑھنے کی تاکید کردو۔ نماز اور معاہدہ کے ساتھ ہی اسے دعائے توجہ سکھا دو تاکہ اس کی عبادت اسے عملاً کامیابی کی طرف بڑھاتی چلی جائے۔ اسے نظام تشیّع پر لکھا ہوا لٹریچر پڑھنے کو دیتے رہو اور اپنی حد تک اس کی مالی مدد کرتے رہو۔ یہاں تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے یعنی لوگوں کو پہلے خود سے وابستہ کرو اور جن میں دین داری نظر آئے ہم سے وابستہ کرتے جاؤ۔ اور بس (حدیث)

میں نے اپنے بھائی اور بھتیجے سے آپ کا کراچی آنا سنا اور آپ نے اشتیاق ملاقات کا تذکرہ کیا۔ میں نے ملاقات کی۔ چند باتیں ہوئیں۔ پسند آئیں۔ ملاقات کے

بہانے تلاش کرنا لازم ہو گئے۔ ملاقاتیں ہوئیں۔ کتاب توحید و عدل دی گئی۔ شکریہ مع تنقید پیش کیا گیا۔ سوالات ہوئے۔ جوابات دیئے گئے۔ مطالعہ کی درخواست پیش کی گئی۔ یاددھانی کرائی گئی۔ بتایا گیا کہ تفسیر قرآن پر (5) پانچ ہزار صفحات لکھے ہیں، نہج البلاغہ کے ترجمہ اور تشریح پر دس ہزار صفحات موجود ہیں۔

نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ترجمہ اور تشریحات پڑھ لینے والے کے لئے یہ کتاب التوحید والعدل ہرگز کوئی مدد نہیں دیتی بلکہ وہ دس بارہ صفحات پڑھنے کے بعد اسے اٹھا کر طاق نسیان پر رکھ دے گا۔ بہر حال میں نے چاہا کہ یہ کتاب بھی میری تالیفات کے ساتھ ابدی زندگی اختیار کر لے۔ میری کوشش کا کچھ حصہ آپ کے سامنے سے گزرے گا۔ یہیں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرا حقیقی بھائی اور بھتیجا (جو کہ اب داماد بھی ہے) بالکل آپ کی طرح نیک اور مذہب کے پابند حضرات ہیں ان میں بھی وہ چیز نہیں پائی جاتی جو ایک ''مُنتَظَر'' کو درکار ہے۔ اور جو ایک ''منتظِر'' میں ہوتی ہے۔ پنجوقتہ نماز پڑھ کر آپ بھی چین سے سوتے ہیں۔ جب کہ اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْت۔ جسے سچ مچ انتظار ہو وہ کس طرح وقت گزارتا ہے؟ آپ حضرات کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ بہر حال میرا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ میں نے دن رات کیسے گزارے ہیں؟ مجھے قریب سے دیکھنے والا ہر شخص بتادے گا کہ دنیا کی مختلف ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے میں نے نہ دن کی پرواہ کی نہ رات کا فکر رکھا۔ تحریک تشیع کو مکمل کرنے پر ساری زندگی صرف کردی۔ ایک لاکھ تیس ہزار خوب صورت صفحات لکھے ہیں۔ تیس ہزار یہاں موجود ہیں جن کو پڑھنے کی دعوت دی جاچکی ہے۔ میں حکیم حاذق ہوں۔ ایم بی بی ایس میرے مریدوں میں ہیں مگر میں نے دنیا کو اور لذات دنیا کو ہمیشہ دور رکھا ہے۔ بہر حال دوست میں نے اپنی سوجھ بوجھ اور تجربے کے

مطابق کوشش کی اور دیکھا کہ آپ قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ کے علی الرغم حضرت حجۃ قائم آل محمد امام مہدی بن جناب حسن عسکری علیہم السلام کی طرف سے مایوس ہیں آپ کے اندر آپ کی اپنی تحریریں سوز و گداز وفکر صحیح پیدا کرنے سے قاصر رہی ہیں ۔ میں دونوں قسم کے مجتہدین پر، بہائیوں، بابیوں پر اور کرمانی شیخیوں پر لعنت بھیجتا ہوں ۔ ان سے دوری چاہتا ہوں اور حضرت حجۃ علیہ السلام سے قرب رکھتا ہوں اور اللہ و امام علیہ السلام کے علاوہ ساری دنیا سے بے نیاز ہوں اور اپنی تمام کوششوں اور توجہات کو واپس لیتا ہوں اور آئندہ معمولی راہ و رسم بھی ترک کرتا ہوں اگر ہم غلط راہ پر تھے تو تم نے ہماری اصلاح پر کوئی کوشش نہیں کی ۔

والسلام

احسن عفی عنہ

معاہدہ نصرت برائے حضرت حجۃؑ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُجَدِّدُلَہٗ فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ وَفِیْ کُلِّ یَوْمٍ عَھْدًا وَّ عَقْدًا وَّ بَیْعَۃً فِیْ رَقَبَتِیْ O اَللّٰھُمَّ کَمَا شَرَّفْتَنِیْ بِھٰذِہِ التَّشْرِیْفِ وَفَضَّلْتَنِیْ بِھٰذِہِ الْفَضِیْلَۃِ وَخَصَّصْتَنِیْ بِھٰذِہِ النِّعْمَۃِ فَصَلِّ عَلٰی مَوْلَایَ وَ سَیِّدِیْ صَاحِبِؑ الزَّمَانِ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَنْصَارِہٖ وَ اَشْیَاعِہٖ وَ الذَّابِّیْنَ عَنْہُ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُسْتَشْھَدِیْنَ بَیْنَ یَدَیْہِ طَائِعًا غَیْرَ مُکْرَہٍ فِی الصَّفِّ الَّذِیْ نَعَتَّ فِیْ کِتَابِکَ فَقُلْتَ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَرْصُوْصٌ عَلٰی طَاعَتِکَ وَطَاعَۃِ رَسُوْلِکَ وَ اٰلِہٖ عَلَیْھِمُ السَّلَام O اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ بَیْعَۃٌ لَہٗ فِیْ عُنُقِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ O اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُجَدِّ دُلَہٗ فِیْ صَبِیْحَۃِ یَوْمِیْ ھٰذَا وَمَاعِشْتُ مِنْ اَیَّامِیْ عَھْدًا وَّ عَقْدًا وَّ بَیْعَۃً لَہٗ فِیْ عُنُقِیْ لَا اَحُوْلُ عَنْھَا وَلَا اَزُوْلُ اَبَدًا O اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَنْصَارِہٖ وَ اَعْوَانِہٖ وَالذَّابِّیْنَ عَنْہُ وَالْمُسَارِعِیْنَ اِلَیْہِ فِیْ قَضَآءِ حَوَائِجِہٖ وَالْمُتَمَثِّلِیْنَ لِاَوَامِرِہٖ وَالْمُحَامِیْنَ عَنْہُ وَالسَّابِقِیْنَ اِلٰی اِرَادَتِہٖ O اَللّٰھُمَّ اِنْ حَالَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُ الْمَوْتُ الَّذِیْ جَعَلْتَہُ عَلٰی عِبَادِکَ حَتْمًا مُقْتَضِیًّا فَاَخْرِجْنِیْ مِنْ قَبْرِیْ مُؤْ تَزِرًا کَفَنِیْ شَاھِراً سَیْفِیْ مُجَرِّدًا قَنَاتِیْ مُلَبِّیًّا دَعْوَۃَالدَّاعِیْ فِی الْحَاضِرِ وَالْبَادِیْ O اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ الطَّلْعَۃَ الرَّشِیْدَۃَ وَالْغُرَّۃَ الْحَمِیْدَۃَ وَاکْحُلْ نَاظِرِی بِنَظْرَۃٍ مِنِّیْ اِلَیْہِ وَ عَجِّلْ فَرَجَہٗ وَسَھِّلْ مَخْرَجَہٗ وَاَوْسِعْ مَنْھَجَہٗ وَاسْئَلُکَ رَبِّیْ مُحَجَّتَہٗ وَانْفِذْ اَمْرَہٗ وَاشْدُدْ اَزْرَہٗ وَاعْمُرْ بِہٖ بِلَادِکَ وَاَحْیِ بِہٖ عِبَادِکَ۔

(آمین بحقِ معصومینؑ) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍؐ ۔

ترجمہ معاہدہ نصرت

یا اللہ حقیقت یہ ہے کہ میں آج بھی (قائمؑ آلِ محمدؐ) کے لئے ہر روز کی طرح اپنے اُس معاہدہ کی اور اُن کے ہاتھ خود کو فروخت کر دینے کے بندھن کی تجدید کر رہا ہوں جس کی تعمیل کی ذمہ داری میری گردن میں لٹک رہی ہے۔ چنانچہ اَے اللہ جس طرح تو نے مجھے اُس عہد و پیمان اور بیعت ایسی شرافت سے مشرف کیا ہے۔ اور اس عظیم الشان بزرگی تک پہنچایا ہے۔ اور اپنی ایسی نعمت عظمیٰ کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔ اسی طرح میں التجا کرتا ہوں کہ تو میرے مولاؑ میرے حکمرانؑ اور مالک زمانہؑ پر دُرود و سلامتی جاری رکھ اور تو مجھے اُنؑ کی نصرت کرنے والوں میں، اُنؑ کے مشن کی اشاعت کرنے والوں میں اور اُنؑ کا دفاع کرنے والوں میں سے بنادے۔ اور مجھے آزادانہ اور دل کی پوُری رضامندی کے ساتھ آنحضرتؑ کے حضور حاضر رہنے والوں میں سے بنادے تاکہ میں بھی اُن لوگوں کی صف میں شمار ہو جاؤں جس کی مدح کرتے ہوئے تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی صف تو گویا سیسہ پلائی ہوئی بُنیادوں پر اطاعتِ خدا و رسولؐ و آلِ رسوؐل کیلئے اُستوار کی گئی ہے۔ اَے اللہ چونکہ مجھ پر آنحضرؑت کی بیعت کی ذمہ داری قیامت تک عائد ہے۔ اسلئے آج بھی علی الصباح گزرے ہوئے دِنوں کی ہر صبح کی طرح اپنے اُس عہد و پیمان اور بیعت کی پھر تجدید کرتا ہوں جسکی تعمیل میرے ذمہ ہے۔ میں اس ذمہ داری سے قیامت تک منہ نہ موڑوں گا اور نہ ہی کبھی اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں میرے قدموں میں لغزش آئے گی۔ اسلئے اَے اللہ مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے تو مجھے اُنؑ کی نصرت کرنے والوں میں اور اُنؑ کے معین و مددگاروں میں اور اُنؑ کے دشمنوں سے اُن کا دفاع کرنے والوں میں اور اُنؑ کی طرف تیزی سے بڑھنے والوں میں اور اُنؑ کی ضروریات پوری کرنے والوں میں اور اُنؑ

کے احکام کی مستند تعمیل کرنے والوں میں اور اُن ؑ کی طرف سے وکالت کرنے والوں اور اُن ؑ سے عقیدت رکھنے والے درجہ اوّل کے لوگوں میں سے بنادے۔ اور اَے اللہ اگر میرے اور آنحضرؑت کے درمیان وہ موت رکاوٹ بن کر حائل ہوجائے جسے تونے اپنے بندوں کیلئے حتمی اور معمول کے مطابق ایک لازمی فیصلہ قرار دے رکھا ہے۔ تب اَے اللہ مجھے میری قبر سے اس طرح اُٹھانا کہ میں کفن کو جنگ کیلئے سنوارے ہوئے اور اپنی تلوار بلند کئے ہوئے اپنے نیزہ کی اَنی برہنہ کئے ہوئے لبیک لبیک کہتا ہوا حضورؑ کی دعوت پر تمام نزدیک و دُور کے انصار کے ساتھ حاضر ہوجاؤں۔ اَے اللہ میرے دیدۂ نگراں میں ایسا سُرمہ لگا دے کہ میری پُر امید نظریں اُنھیں دیکھنے کی تاب لائیں۔ اور مجھے اُنکے ہدایت آفریں رُخِ انور کی اور مدح نواز چہرۂ زیبا کی زیارت سے بہرہ اندوزی کا موقع دے۔ اُن ؑ کی طرف سے نوازشات کو جلد سے جلد ظاہر فرمادے۔ اُن ؑ کی تشریف براری ہم پر آسان کردے اُن ؑ کے طریقہ کی وسعتوں میں اضافہ فرما کر ہمیں بھی اُن میں شامل کرلے۔ اور اَے میرے پروردگار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اُن ؑ کے مقام حجت کو اور اُن ؑ کے نظام کو برسرِ عام جاری فرمادے۔ اُن ؑ کو مضبوط پشت پناہی عطا فرمادے اور اپنی دُنیا کو اُن ؑ کے ہاتھوں تعمیر ہونے اور اپنے بندوں کو زندگی عطا کرنے میں مدد کر۔

(آمین بحق معصوؑمین) (اَللّٰھُم صَلی عَلٰی مُحَمَّد وّاٰلِ محمدؐ)

مذکورہ معاہدہ مفاتیح الجنان اور حدیث کی کتابوں میں زیارات کے ساتھ لکھا ہوا موجود ہے اور اس میں سکھایا ہوا معصومؑ بیان خود بتاتا ہے کہ:

ہر شخص کو جو نظام اھلبیت علیھم السلام پر ایمان لانے کا مدعی ہو، واجب ہے کہ حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سامنے خود کو ہر لحہ ذمہ دار سمجھے

اور روزانہ اس معاہدہ کی تجدید کرتا اور اس میں مذکورہ ذمہ داریوں کو بجالاتا رہے۔ **تا کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سرکار زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نظام کو قائم کرنے میں اُن ؑ کی نصرت کے لئے ہر وقت تیار رہے** اور اہل باطل اس جماعت کے وجود و قوت و ہم آہنگی سے خوفزدہ رہیں اور حقوق العباد کو ادا کریں۔ لیکن افسوس کہ وہاں تو زیارات کا ترجمہ بھی کرنا چھوڑ دیا گیا۔ نماز کے سمجھ کر پڑھنے کا تقاضہ بھی بند کر دیا گیا۔ یعنی ملت شیعہ کو اُٹھا کر ملت طاغوتی میں مُدغم کر کے گُم کر دیا گیا۔ تا کہ ان کی انقلابی اسپرٹ فنا ہو کر رہ جائے۔ وہ روزانہ شہدائے کربلا علیہم السلام کی خون آلود مٹی یعنی سجدہ گاہ پر سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن نہ دل میں کوئی جوش پیدا ہوتا ہے نہ خون میں گرمی آتی ہے۔ نہ یزیدی نظام کے خلاف کوئی جذبہ اُبھرتا ہے۔ وہ زیارات پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں لہٰذا اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆